بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

آج سے ایک صدی، تریسٹھ برس اور چارہ ماہ قبل یعنی آٹھ مئی 1840ء کو ایک معروف فیلسوفِ انگریزی تھامس کارلائل نے ''محمد رسول اللہ ﷺ'' کے عنوان سے ایک لیکچر دیا تھا جو بعد میں مصنف موصوف کی معروف عالم کتاب (Heroes, Hero-Worship and the Heroic in History) میں ایک اہم باب کے طور پر شامل ہوا۔ تھامس کارلائل کے اس لیکچر کے اقتباسات گذشتہ ڈیڑھ صدی سے مختلف مسلم اور غیر مسلم سیرت نگاروں کی نگارشات میں پیش ہوتے چلے آ رہے ہیں۔ ''طلوع اسلام'' میں ''خراج عقیدت'' کے عنوان سے اس لیکچر کی تلخیص پیش کی گئی تو قارئین کی بڑی تعداد نے اصل اور مکمل لیکچر کا تقاضا کیا۔ اتفاق سے ہمیں ''مولانا عبیدالرحمٰن عاقل رحمانی'' کا کیا ہوا اردو ترجمہ دستیاب ہو گیا تو ہم نے (بحکم چیئرمین ادارہ جناب ایاز حسین انصاری صاحب) تھامس کارلائل کا اصل انگریزی خطبہ اور اس کا مذکورہ اردو ترجمہ ایک ساتھ شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اردو ترجمہ اگرچہ زبان و بیان کے حوالہ سے قدرے ثقیل اور دقیق ہے بایں ہمہ دلچسپ اور مفید بھی ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ تھامس کارلائل کی اس خطبہ میں بیان کردہ بعض باتیں حقیقت سے بہت بعید اور غلط ہیں۔ وہ اس میں ایک حد تک معذور بھی ہے کیونکہ اس کی تمام تر معلومات بالواسطہ ذرائع سے حاصل کی ہوئی ہیں اور ذرائع بھی کون سے، گبن، میور، سیل اور Prideaux جیسے متعصب مصنفین۔ ان اسلام دشمن، متعصب مغربی مؤرخوں کی تحریر کردہ کتابوں کو پڑھ کر اصل حقیقت تک پہنچنا کتنا دشوار ہے! اس کے باوجود لائقِ ستائش ہے کارلائل جس نے مقدور بھر، حقیقت کو تلاشنے کی سعی کی اور اس کی یہ سعی، اس کے حسنِ نیت اور عقلِ سلیم کی بدولت نامشکور نہیں ٹھہری۔

امید ہے کہ قارئین کرام ''طلوع اسلام'' کی اس پیشکش کو جو کہ ایک دستاویز کی حیثیت اختیار کر گئی ہے، مفید پائیں گے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مترجمہ: مولانا عبیدالرحمٰن عاقل رحمانی

محمد رسول اللہ ﷺ

مؤلفہ

فیلسوف انگریزی ٹامس کارلائل

جس میں مصنف نے رسول اللہ صلعم کی سیرت نہایت ہی عمدہ اور فلسفیانہ انداز میں تحریر کی ہے اور ان تمام شبہات کے بہترین اور مسکت جوابات دیئے ہیں جو آنحضرت صلعم کی سیرت مبارک پر عیسائیوں کی طرف سے کئے جاتے تھے۔ اس کا مطالعہ ہر انگریزی داں کے لئے ضروری ہے۔

مقدمہ

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد والہ و صحبہ اجمعین۔

زندگی دراصل ایک جہاد ہے، جس کے وسیع میدان میں تمام مخلوقات باہم ٹکراتی اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتی ہیں، جیسے ریس یعنی گھوڑ دوڑ کا پچھلا گھوڑا کہ وہ گول تک پہنچنے کے لئے تمام اگلے گھوڑوں سے بھی آگے بڑھ جانے کی جان توڑ کوشش کرتا ہے، حالانکہ اس کا سوار اپنی آنکھوں سے دیکھ اور دل سے سمجھ رہا ہے کہ میں بہت ہی پیچھے اور مسبوق ہوں، لیکن نفوس کی لالچ اور خواہشات کی حرص اس سوار کو ایک ایسی چیز کے حاصل کرنے کے لئے مجبور کرتی ہے جس کو پانے کی قطعاً کوئی امید نہیں ہوتی، یہ سست رفتار گھوڑے کا سوار ان تمام باتوں کو جانتے ہوئے بھی میدان مقابلہ میں نازل ہونے اور دوسرے سواروں سے ٹکرانے میں کوئی سستی محسوس نہیں کرتا، آخر اس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ سبقت کرنے والے اور تمام حاضرین وتماشبین اس پر ہنستے اور تمسخر کرتے ہیں۔

بعینہٖ یہی مثال اس شخص کی ہے جو رسالت محمدیہ کی قیمت اور اس کے اس بلیغ اثر کو کم کرنا چاہتا ہے جس نے امت مسلمہ کو ترقی کے اعلیٰ درجہ تک پہنچایا، انسانی مخلوق کے درجہ کو بلند کیا، تمام عالم کو متمدن کیا، قلب عالم تک پہنچنے کے لئے نور کا راستہ کھول دیا اور عالم کی آنکھوں سے تمام پردے دور کر دیئے، پھر انسان نے اپنی عقلوں اور اپنی نظروں سے وہ چیزیں دیکھ لیں جو اس کو غایت عمرانی تک پہنچا

سکتی تھیں اور جن کے ذریعے وہ مادی و ادبی اور جسمانی و روحانی قوت وترقی کوطلب کرسکتا تھا اگر چہ ان دونوں کے حصول میں نظریں اورقوت کی حد بندیاں مختلف ہوتی ہیں پھران دونوں میں سے بعض چیزوں کو اختیار کرنے اور بعض چیزوں کو ترک کرنے میں بھی اختلاف نظر پایا جاتا ہے۔

نبی کریم محمد بن عبداللہ العربی القرشی الہاشمی کی یہی رسالت تھی جو بتوں کوتوڑنے والے' سلامتی کوعزت دینے والے اور سخاوت کی جگہ پر سخاوت اورتلوار کی جگہ پرتلوار رکھنے والے تھے' اللہ واحد کی عبادت پر رکن توحید کی بنیاد رکھی' اس طرح پر آپ نے انسانی عبادت کوقطعاً روک دیا' اتقیاء' اغنیاء' اورامراء کی قوت کو بالکل باطل کر دیا' اوران تمام ذلتوں کوقطعاً دفع کر دیا جوامراء ضعیفوں' فقیروں اورمفلسوں کے ساتھ روا رکھتے تھے' تمام انسانوں کے حقوق' شریعت کے نزدیک مساوی قرار پائے' اب اگر کوئی اپنے حقوق کی نگہداشت نہ کرے بلکہ اپنے حقوق ظالموں' ذلیل کرنے والوں اور غلام بنانے والوں کے حق میں چھوڑ دے تو اس کا وبال خود اسی پر عائد ہوگا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وما ظلمهم الله ولكن كانوا انفسهم يظلمون۔

اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے تھے۔

آج اگر انسان ذلت کی وجہ سے سخت تکلیف اٹھا رہے ہیں اور مصیبتوں پر زور زور سے چیخ رہے ہیں' تو یہ نتیجہ ہے صرف ان کے اس گناہ کا کہ انہوں نے غیروں کے سامنے اپنے سر جھکا دیئے اور اللہ کے اس اہم اور عظیم الشان حکم کومہمل قرار دیا جو اس نے حکم دیا تھا کہ خدا کے سوا کسی کے سامنے بھی اپنا سر خم نہ کرو اور کسی کے سامنے بھی ذلت اختیار نہ کرو کیونکہ تمام انسان مساوی ہیں' یا خدا کے سوا کسی حاکم کی حکومت کو اپنے اوپر تسلیم نہ کرو۔

وما ربک بظلام للعبید۔

تیرا خدا اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

رسول خدا محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی شریعت ہے جس کی روشنی مکہ سے بلند ہوئی اور ساری دنیا کو اقصائے ارض تک منور کر دیا' اب اس تیز روشنی کو نہ تو کسی غالب کا غضب' نہ کسی قوی کی قوت' نہ کسی جاہل کی جہالت' اور نہ کسی حاسد کے حسد کی پھونک بجھا سکتی ہے۔

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

یہ شریعت زمانہ میں ثابت اور مستحکم ہو چکی' انشاء اللہ مستقبل میں اس کے اندر مسلمانوں کے ضعف وافتراق اور تنزل کے باوجود اور بھی زیادہ ثبوت اور رسوخ پیدا ہوگا' گو اس وقت مسلمانوں میں ضعف طاری ہو چکا ہے لیکن واضح رہے کہ جسم تو بلاشبہ ضعیف اور بوڑھا ہوتا' فنا اور زوال پذیر ہوتا ہے لیکن روح تو ایک زندہ اور ابد تک باقی رہنے والی چیز ہے۔

بڑے بڑے مشہور ملحدوں نے اس شریعت سے جنگ کی اور صاحب مذاہب نے بہت کچھ مجادلے اور مباحثے کئے' لیکن ان لوگوں کو قطعا کوئی کامیابی نہیں ہوئی کیونکہ اس قسم کے لوگ کند ہتھیاروں اور شکستہ عزم وارادوں سے اس کا مقابلہ کرتے ہیں' اور یہ مقابلہ بھی کسی شخصی غایت یا ملکی میلان یا قومی مفاد یا منصب وجاہ کے خوف پر مبنی ہوتا ہے کیونکہ اسلام کے غلبہ کی صورت میں یہ تمام چیزیں ان کے ہاتھ سے رخصت ہو جائیں گی' اور جن نعمتوں میں ان کی زندگی بسر ہو رہی ہے ان سے قطعاً محروم ہو جائیں گے۔

یہ تمام باتیں شریعت محمدیہ کو صرف ایک مدت تک ہی ضرر پہنچا سکتی ہیں پھر اس مدت کے گذرتے ہی فکریں اور عقلیں ہوشیار ہو جاتی ہیں' یہاں تک کہ اب وہی عقلیں اس شریعت محمدیہ

کے تمام امور میں بحث کرنے لگتی ہیں جو اپنے محاسن و جمال اور نفوس وعقول انسانی میں موثر ہونے کی وجہ سے لوگوں کے دلوں کو بہت جلد اپنی طرف جذب کر لیتی ہے۔

جو بات حق ہوتی ہے وہ ہر زمانہ اور ہر مکان میں اپنے لئے مددگار حاصل کر لیتی ہے' مخلوقاتِ عالم میں خداوندِ عالم کی سنت یونہی جاری ہے' وہ طعن وتشنیع جن کو جہلا اور احمق' رسول اللہ صلعم کی شان میں استعمال کرتے تھے فی الواقع وہی اصل سبب تھے جنہوں نے اکثر یورپین لوگوں کو خواہ وہ دیندار ہوں یا بے دین شریعت اسلامیہ کی تحقیق وتفتیش کے لئے برانگیختہ اور اسلامی تاریخ کی طرف متوجہ کیا' جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ یورپ کے شریف لوگوں کی ایک بڑی جماعت اسلام میں داخل ہوگئی اور پھر یہی لوگ اسلامی ہدایت کو اپنے پڑوسیوں اور اپنی قوموں کے درمیان پھیلانے لگے' کتابیں تالیف کیں' اور ان کو تمام یورپ میں شائع کیا' یہ لوگ فی الواقع اسلام کے ایک جیشِ عظیم ہیں جو تمام یورپ' امریکہ' افریقہ اور مشرق اقصیٰ میں پھیلے ہوئے ہیں' ہم مسلمانوں کے لئے یہ چیز خصوصاً اور ابناء انسانیت کے لئے عموماً حد درجہ مسرت انگیز اور طمانیت بخش ہے' اس لئے کہ ہمارے اور ان کے درمیان فکروں اور عقلوں کا تقارب ہم لوگوں میں باہمی محبت اور رشک وسعادت پیدا کرے گا' اور پھر بہت کچھ ان خرابیوں اور برائیوں کی تخفیف ہوسکتی ہے جو غلط فہمی اور فاسد عقیدوں کی وجہ سے زمانۂ ماضی میں پیدا ہوئی تھیں' جن کو وہ ہمارے خلاف تسلیم کر کے بے حد مسرور ہوا کرتے تھے' اور اسلام کی ہیبت اور ترقی کے خوف سے ہمارے ہر اقدام پر ہم سے لڑنے کے لئے تیار ہوتے تھے' کیونکہ ان کو یقین تھا کہ اگر اسلام پھیل گیا تو پھر ہماری تہذیب وتمدن اور عمران کا خاتمہ ضروری ہے۔

اب حقیقت صاف اور واضح ہو چکی اور سچی قوموں نے جان لیا کہ اسلام اور شریعت محمدیہ دونوں کی روح دراصل مدنیت و عمران' اور علم وعرفان کے ذریعہ ترقی نفس واخلاق ہیں۔

لیکن یہ تمام ترقیاں اسی وقت ہوسکتی ہیں جبکہ مسلمان نبوت عربیہ کے قدم بہ قدم چلیں اور کسی غریب خواہشات یا کسی قوی وغالب کی لالچ اور حرص کو اس میں مداخلت کا موقع نہ ملے۔

اس حقیقت کو یورپ کی بعض قوموں نے تو سمجھ لیا اور بعض باقی رہ گئی ہیں جو ایک روز ضرور سمجھیں گی' پھر اس وقت ہم کو یہ کہنے کا حق ہوگا کہ یہی ہے ''یوم منتظر'' اور یہی ہے انسانیت کبریٰ کی عید جس میں تمام انسان پہلو بہ پہلو متفقہ رایوں اور متفقہ عواطف کے ساتھ ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جائیں گے۔

بس اسلام ہی وہ دین حق ہے جس کی اتباع کا اللہ نے ہم کو حکم دیا ہے' ہم مسلمان صرف اسی کی عبادت اور بزرگی بیان کرتے ہیں اور دنیا کے تمام انسانوں کی طرف اس برادرانہ نظر سے دیکھتے ہیں جس میں عدل' حق' محبت اور عواطف کی چمک ہوتی ہے۔

اس وقت میرے سامنے فیلسوف انگریزی ٹامس کارلائل کی قابل قدر تصنیف ہیروز اینڈ ہیرورشپ کا ایک باب ہے جس کا ترجمہ اردو زبان میں مولانا عبیدالرحمٰن صاحب نے کیا ہے۔

مصنف کتاب کارلائل کے متعلق کچھ لکھنا تحصیل حاصل ہے آپ ان کی کتاب کے مطالعہ ہی سے سمجھ جائیں گے کہ ان کی روح ایک مذہبی روح تھی' یعنی وہ ایک عام مومن انسان تھے' ہر اس شخص کی تائید کرتے تھے جو ایمان باللہ اور عمل صالح کی طرف بلائے' اور اقوام عالم کی عقلی وعمرانی ترقی کی طرف رہنمائی کرے' یہ خصوصیت ان لوگوں میں بہت کم پائی جاتی ہے جو کسی خاص مذہب کے تابع ہوتے اور اپنے دین کے مخالف دین والوں سے مجادلے اور مباحثے کرتے ہیں اگرچہ وہ مخالف دین حق اور فضیلت پر ہی کیوں نہ ہو۔

اس بناء پر کارلائل ان افراد نوع انسانی میں داخل ہیں جو

انسان کے لئے صرف بھلائی اور انسانیت کی محبت کے خیال سے بھلائی کی محبت رکھتے ہیں' کسی خاص مذہب اور کسی خاص نفع کی محبت کی وجہ سے نہیں غرضیکہ کارلائل انسانی عام تھے اور قومی خاص سے ان کو کوئی تعلق نہیں تھا۔

ان کی اس پوری کتاب میں یہی روح جلوہ گر ہے' جس میں انہوں نے بہادروں کی شخصیتوں سے بحث کی ہے' مثلاً نبی' شاعر اور مقدس ہستی وغیرہ' کارلائل ان لوگوں سے نمونے اخذ کرتے اور ان پر یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ نمونے ان تمام چیزوں سے بہتر ہیں جن کو عالم میں آج تک انسان نے پہچانا ہے' پھر ان نمونوں کو انسانیت کی طرف فضیلت و کمال کی بلند شکل وصورت میں پیش کرتے ہیں۔

ہمارے لئے اس جگہ قابل توجہ وہ مباحث ہیں جن کو انہوں نے رسول اللہ صلعم کی شخصیت پر لکھا ہے' وہ رسول اللہ کی تقدیس اور پاکی بیان کرنے میں اس قدر عجیب وغریب رنگ اختیار کرتے ہیں جو بظاہر قریب قریب اسلامی رنگ کے ہوگیا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا کوئی مسلمان مصنف یہ سیرت لکھ رہا ہے' وہ اسلام اور شریعت کی تائید اس کے رسول محمد بن عبداللہ صلعم کی شخصیت کی وجہ سے کرتے ہیں اور آپ کو دعوائے نبوت میں ہر قسم کی تہمتوں اور جھوٹی باتوں سے پاک وصاف اور بالکل صادق سمجھتے ہیں' وہ کہتے ہیں کہ محمد رسول امین وصادق ہیں' جنہوں نے انسانیت کو خیر عظیم عنایت فرمائی۔

یہ انگریزی فیلسوف یہ تمام باتیں کہتا ہے اور ساتھ ہی ان پر کامل یقین بھی رکھتا ہے' کیونکہ وہ رسول اللہ صلعم کے ان مخالفین اور دشمنوں کے اقوال کی سختی کے ساتھ تردید کرتا ہے جو راہ حق سے بھٹکے ہوئے اور صواب سے منحرف ہیں اور رسول اللہ کے ساتھ دشمنی محض اپنی جہالت' عناد اور زبردستی کی وجہ سے کرتے ہیں' وہ ان مخالفین پر نہایت سختی کے ساتھ رنج دہ طعنے کرتا اور ان کے جھوٹ و افتراء کا تار و پود بکھیرتے ہوئے ان کو اوج سے حضیض کی طرف پھینک دیتا ہے۔

چنانچہ وہ بالکل صاف آواز میں علی الاعلان کہتا ہے:

ایک مہذب ومتمدن فرد کے لئے بڑے شرم کی بات ہے کہ وہ اپنے کان کو اس لغو کلام کی طرف متوجہ کرے کہ ''دین اسلام جھوٹ اور (نعوذ باللہ) محمد جھوٹا ہے''۔ اب وقت آ گیا ہے کہ ہم اس قسم کے سخیف اور لغو و باطل کلاموں کی اشاعت سے جنگ کریں' کیا تم نے کبھی دیکھا ہے کہ ایک جھوٹا شخص کسی دین کو ایجاد کر سکے؟ قسم خدا کی ایک جھوٹا انسان تو اینٹوں سے ایک مکان بھی نہیں بنا سکتا' واللہ یہ کافر لوگ جو باتیں مشہور کرتے ہیں سب بالکل جھوٹ ہیں' ان لوگوں نے ایک ملمع کی ہوئی بات کو حق سمجھ لیا ہے اور ایک فرضی و وہمی بات کو مزین کر کے اس کو سچا تسلیم کر چکے ہیں حالانکہ وہ تمام باتیں بالکل زور اور قطعی جھوٹ ہیں۔''

''ہم محمد کو کسی حال میں بھی ایک جھوٹا انسان نہیں سمجھ سکتے جو اپنے کسی مقصود کو حاصل کرنے کے لئے مکر وفریب اور حیلوں کے ذرائع استعمال کرتا ہو' یا اپنے حیلوں سے کسی سلطنت کو حاصل کرنا چاہتا ہو' یا اس کے علاوہ ان کا اور بھی کوئی حقیر وصغیر مقصود ہو۔ جو کچھ رسالت انہوں نے پہنچائی ہے وہ تو بالکل خالص حق ہے ان کی آواز ایک سچی آواز ہے جو عالم مجہول سے صادر ہوئی ہے' محمد تو زندگی کا ایک ایسا ٹکڑا ہیں جن سے قلبِ طبیعت پھٹ جاتا ہے' وہ ایک منور شہاب ہیں جس نے تمام عالم کو منور کر دیا' یہ اللہ کا فیصلہ اور اللہ کا فضل ہے وہ اپنا فضل جسے چاہتا عطا کرتا ہے' مذکورہ بالا ایک ایسی حقیقت ہے جو ہر باطل کو فنا کر دیتی اور کافروں کی تمام حجتوں کو پاش پاش کر دیتی ہے۔''

پھر اس کے بعد کارلائل عرب اور ان کے اخلاق کا ذکر

کرتے ہیں' اور ان کی بہترین صفتیں بیان کرتے ہیں' عربوں کی طبیعت کو ایک ایسی چیز سے تشبیہہ دیتے ہیں جس میں رقت وصلابت' اور لطف وسختی دونوں ہوں ان کی رقت طبع اور پاکیزگی فطرت پر ان کے ذوق شعری اور اشعار کے گانے اور سننے سے استشہاد کرتے ہیں۔

پھر ان اندھے تعصب والوں اور جھوٹے لوگوں کی نہایت سختی کے ساتھ تردید کرتے ہیں جن کا خیال تھا کہ رسول اللہ صلعم اپنی بچپنی کے زمانہ میں بحیرا راہب کے ساتھ بہت دنوں تک زندگی بسر کر چکے تھے' حالانکہ رسول اللہ صلعم نے اس کو صرف ایک ہی مرتبہ اپنے اس سفر میں دیکھا تھا جو آپ نے اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ کیا تھا اور اس کے مکان پر صرف تھوڑی ہی دیر تک ٹھہرے' جتنی دیر تک کہ ایک مسافر شخص استراحت کرتا ہے' اس واقعہ کی تاریخی اصلیت بالکل ہی بسیط ہے' جھوٹے لوگوں نے اس واقعہ سے بعض ایسی باتیں مستنبط کرنی چاہیں جو لوگوں میں شک وشبہ پیدا کریں' لیکن یہ تمام باتیں فی نفسہٖ بالکل باطل ہیں' ان کے کثیر وقلیل پر کوئی بھی اعتبار نہیں کرتا' پھر اس کے بعد فیلسوف کارلائل اس قسم کے تمام حادثوں کو بیان کر کے دشمنوں کی تمام گمراہیوں کو دفع کرتا ہے' چنانچہ کہتا ہے:

''اس وقت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر 14 سال سے زائد نہ تھی اور وہ عربی زبان کے سوا کوئی دوسری زبان بھی نہیں جانتے تھے' ظاہر بات ہے کہ اس عمر کا ایک لڑکا کیا حاصل کر سکتا ہے؟؟ متعصبین اور ملحدین کہتے ہیں کہ دعوائے نبوت سے محمد کا مقصود صرف شہرت' مفاخرت اور عزو جاہ تھا واللہ یہ قطعاً جھوٹ اور بالکل غلط ہے' اس بڑے انسان کے دل میں جو ایک صحرا کا پرورش یافتہ اور عظیم النفس تھا اور جس کا دل رحمت' بھلائی' شفقت' نیکی' احسان اور حکمت وغیرہ سے بھرا ہوا تھا' یقیناً دنیوی طمع کے علاوہ کوئی دوسری فکریں تھیں اور عزو جاہ کی طلب کے سوا ضرور کوئی دوسرا مقصود تھا' ان لوگوں کا دعویٰ تو اسی سے باطل ہو جاتا ہے کہ محمد صلعم نے اپنی بچپنی اور جوانی کا زمانہ نہایت ہی عیش وآرام میں بسر کیا لیکن اس درمیان میں ان سے کبھی کوئی ایسی بات نہیں سنی گئی جس سے شہرت طلبی اور عزو جاہ کا حصول ثابت ہوتا ہو' دفعتہً چالیس سال کی عمر کے بعد ان کو آسمانی پیغام ملا۔ اور یہ وہ وقت تھا جبکہ جوانی رخصت اور بڑھاپا آ چکا تھا تب آپ کے دل میں وہ آتش فشاں جوش مارنے لگا جس کا مقصود ایک امر جلیل اور شان عظیم تھا' ایسی حالت میں کوئی شخص کیا شہرت طلب کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

پس معلوم ہوا کہ ہم کو ان بیہودہ لوگوں سے علیحدہ ہو جانا چاہئے جو کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جھوٹے انسان تھے' ان لوگوں کی موافقت کرنی باعث شرم' ذلت' سخافت اور حماقت ہے' ان لوگوں کی باتوں سے ہم اپنے نفوس بالکل علیحدہ اور بلند رکھیں' یہ لوگ کہتے ہیں کہ دین اسلام تلوار کے زور سے پھیلا' لیکن سوال یہ ہے کہ اس تلوار کو کس چیز نے ایجاد کیا؟ یقیناً وہ دین اسلام کی قوت اور اس کی حقانیت ہے۔''

بطور نمونہ میں نے چند باتیں نقل کر دی ہیں' جن کو یہ انگریزی فیلسوف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سے متعلق کہتا ہے' اگر میں وہ تمام باتیں مفصل نقل کروں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس جگہ پوری کتاب ہی نقل کروں اور یہ میرا مقصود نہیں' بلکہ میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ لوگوں کی نظریں اس عدل وانصاف کی طرف متوجہ کر دوں جو کارلائل کے کلام میں موجود ہے باقی اصل کتاب اس کے بعد آپ خود ہی پڑھ لیں گے' ناظرین کو چاہئے کہ اس کی اس کتاب کو امعان نظر اور دقت فہم کے ساتھ مطالعہ کریں عجیب وغریب باتیں نظر آئیں گی۔

اس میں شک نہیں کہ اس کی بعض باتیں اسلامی

اعتقادات کی حیثیت سے بالکل غلط ہیں' لیکن وہ اس میں ایک حد تک معذور بھی ہے' وہ تو وہی بات کہتا ہے جس پر اسے اعتقاد ہے' ہم لوگوں کو یہ حق نہیں کہ ہم اس کو اپنے عقیدہ پر آنے کے لئے مجبور کر سکیں' علاوہ ازیں اس قسم کی مخالف باتیں بہت ہی تھوڑی ہیں جن کے لئے اس کا وہ حسن نیت اور اخلاص زبردست سفارش کرنے والا ہے جو اس کے قول و اعتقاد میں پائے جاتے ہیں' بالخصوص اس کی وہ سخت مدافعت جو اس نے رسول اللہ صلعم کی طرف سے کی ہے اور اس کا آپ کو ان تمام لغو اور بیکار باتوں سے بری کرنا جن کو مغربی لوگ آپ کی شان میں کہا کرتے تھے جیسا کہ عنقریب ناظرین کو معلوم ہو گا' خلاصہ یہ ہے کہ فیلسوف کارلائل نے اپنے اس مقالہ سے اسلام' حقیقت اور انسانیت کو بہت ہی بڑا فائدہ پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ انسانوں میں اس قسم کے لوگوں کی تعداد زیادہ کرے۔ (آمین)

میں اپنے مکرم دوست مولانا عبیدالرحمٰن صاحب رحمانی کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کے ترجمہ کی طرف توجہ فرمائی' اور مجھے امید ہے کہ یہ کتاب تمام مسلمانوں میں عموماً اور ہندوستانی مسلمانوں میں خصوصاً زیادہ شائع اور مقبول ہوگی تاکہ یہ لوگ وہ باتیں معلوم کر سکیں۔ جن کو ایک اجنبی شخص ہمارے مذہب اور ہمارے رسول کے متعلق کہتا ہے۔ واللہ الموفق۔

محمد عبدالعزیز

☆☆☆☆☆☆☆

ایک ہیرو رسول کی صورت میں
محمد صلی اللہ علیہ وسلم --- اسلام

از تھامس کارلائل

اب ہم شمالی وثنیت کے سخت اور وحشی زمانہ سے منتقل ہو کر ایک دوسری قوم کے دوسرے دین کی طرف متوجہ ہوتے ہیں' اس سے ہماری مراد عربی قوم کا دین اسلام ہے' ہمارا یہ انتقال بہت ہی بعید اور ان دونوں ادوار میں بے انتہا فاصلہ ہے' بلکہ یہ تو عجیب و غریب رفعت اور عجیب و غریب ارتقاء ہے' جس کو ہم اس وقت دنیا کے عام حالات اور فکروں میں جاری و ساری دیکھ رہے ہیں۔

اس دور جدید میں لوگوں نے اپنے ہیرو اور رہنماؤں میں خدا کو نہیں دیکھا' بلکہ اس رہنما کو ایک رسول سمجھا جس کے پاس خدا کی طرف سے وحی آتی تھی' اس ہیرو یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں یہی دوسری شکل پائی جاتی ہے' اور پہلی شکل جو بہت ہی قدیم ہے وہ تو اب ایسی جگہ پہنچ گئی ہے جہاں سے پھر دوبارہ واپس نہیں آ سکتی اب لوگ دنیا میں کسی حال میں بھی اپنے ہیرو کو خدا نہیں سمجھتے' گو وہ ہیرو یا رہنما اپنی عظمت میں کیسا ہی درجہ کیوں نہ رکھتا ہو' بلکہ اب تو ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ عہد قدیم کے ہیرو کوئی انسان بھی تھے یا نہیں' وہ لوگ ایک شخص کی طرف متوجہ ہوئے جس کو وہ دیکھتے اور چھوتے تھے پھر کہنے لگے یہی تمام کون کا خدا ہے' میں تو ایسا نہیں سمجھتا تھا' بلکہ یہ قول کسی ایسے شخص کے متعلق کہتے تھے جس کی یاد ان میں باقی تھی یا اس کو دیکھ چکے تھے۔ بہرحال اب ایسا نہیں ہوسکتا' آئندہ کوئی ہیرو اس دنیا میں خدا نہیں بن سکتا اگرچہ وہ ہیرو عظمت کی انتہا تک کیوں نہ پہنچ گیا ہو۔

اگرچہ گذشتہ دور میں کسی بڑے انسان کو خدا تسلیم کرنا بڑی زبردست غلطی اور فاش وحشت تھی' تاہم اس قدر میں ضرور کہوں گا کہ ایک بڑا انسان دنیا کے ہر دور میں ایک معمہ اور چیستاں رہا ہے' میں نہیں سمجھتا کہ بڑے انسان یا ہیرو کی تفسیر کس طرح کروں اور کس طرح اس کا استقبال کروں اور اس کے ساتھ کیسا معاملہ ہونا چاہئے؟ غالباً ہر دور میں سب سے مشکل چیز یہی کسی بڑے انسان کا استقبال رہا ہے' خواہ لوگوں نے اس کا استقبال خدا کی طرح کیا ہو یا نبی کی طرح یا جس طرح بھی ہو' بس سب سے بڑا سوال یہی ہے۔ ان کے اس سوال کے طریقۂ جواب اور اس کے متعلق مذہب کی

کیفیت سے ان کی صمیم روحانی حالت کا دیکھ لینا ہمارے لئے ممکن ہے' اگر چہ یہ دیکھنا ویسا ہی ہو جیسا کہ کسی بند دریچہ کے سوراخ سے کسی چیز کو دیکھ لیتے ہیں۔

کیونکہ جب انسان کبیر کا مصدر صرف ایک ہی ہے یعنی اللہ کی ذات تو وہ سب یقیناً ایک ہی جنس اور ایک ہی قسم کے ہوں گے خواہ وہ انسان کبیر ''اودین'' ہو یا ''لوتھر'' یا جانسن'' یا ''بارنز'' اور میں تو سمجھتا ہوں کہ ان تمام کی طینت اور فطرت بھی ایک ہی ہوگی' ان کے درمیان کوئی بڑا اختلاف نہ ہوگا' ہاں اگر کچھ اختلاف ہوگا بھی تو وہ صرف اس شکل وصورت میں ہوگا جو قدرت کی جانب سے انہیں عنایت کی گئی ہے یا اس طریقہ میں ہوگا جس کے ذریعہ زمانہ والوں نے ان کا استقبال کیا۔

محمد صلعم کو جھوٹا کہنا بڑے شرم کی بات ہے: موجودہ دور کے مہذب ومتمدن فرد کے لئے بڑے شرم کی بات ہے کہ وہ اپنے کان کو اس کلام کی طرف متوجہ کرے کہ ''دین اسلام جھوٹ ہے اور محمد مکار اور جھوٹا ہے'' (معاذ اللہ) اب وقت آ گیا ہے کہ ہم اس قسم کے سخیف اور لغو وباطل کلاموں کی اشاعت سے جنگ کریں' کیونکہ وہ رسالت جس کو اس رسول نے ادا کیا آج بارہ صدی سے ہمارے جیسے دو سو ملین (بلکہ چار سو ملین یعنی چالیس کروڑ) انسانوں کے درمیان روشن چراغ کی طرح منور ہے' ان لوگوں کو بھی اسی اللہ نے پیدا کیا ہے جس نے ہم کو پیدا کیا' ایسی حالت میں کیا کوئی شخص یہ گمان کر سکتا ہے کہ رسالت جس پر کروڑوں ان گنت انسان پیدا ہوئے اور مرے محض جھوٹ اور فریب ہے؟ میں تو قطعاً ایسا گمان نہیں کر سکتا' اگر مکر وفریب اور جھوٹ اللہ کی مخلوق میں اس طرح رواج پا جائے اور بے شمار انسانوں سے اس طرح تصدیق وقبول حاصل کرے تو پھر میں تو یہ کہوں گا کہ دنیا کے تمام انسان بے وقوف اور پاگل ہیں' اور یہ زندگی محض بیکار اور گمراہی ہے' اس سے بہتر تو یہ ہوتا کہ یہ انسانی زندگی پیدا ہی نہ کی جاتی۔

ان لوگوں کی عقلوں پر ماتم کرو جن کا ایسا خیال ہے' اور فی الواقع کس قدر برا خیال ہے' درحقیقت ایسا خیال رکھنے والے حد درجہ ضعیف اور مرثیہ پڑھے جانے کے مستحق ہیں۔

اس قسم کے اقوال کفر اور خبث قلوب کا نتیجہ ہیں: اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص علوم کائنات میں کمال حاصل کرنا چاہتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان بیوقوفوں کے اقوال کی قطعاً تصدیق نہ کرے کیونکہ وہ پشتہا پشت کے کفر اور زمانوں کے انکار و الحاد کا نتیجہ ہیں' یہی اقوال ان کے خبث قلوب' فساد ضمائر' اور ان کے زندہ بدنوں میں مردہ ارواح کی موجودگی پر دلالت کرتے ہیں' غالباً دنیا نے ان سے زیادہ کفر اور ان سے زیادہ رنج دہ اقوال نہ دیکھے اور سنے ہوں گے۔

ایک جھوٹا انسان تو اینٹ سے ایک مکان بھی تیار نہیں کر سکتا پھر وہ ایک دین اور مذہب کس طرح ایجاد کر سکتا ہے: دوستو! کیا تم نے کبھی ایسے جھوٹے انسان کو دیکھا ہے جس نے اس دنیا میں ایک عجیب دین پھیلایا یا اور ایجاد کیا ہو' قسم خدا کی ایک جھوٹا انسان تو اینٹ سے ایک مکان بھی نہیں بنا سکتا اگر وہ شخص چونے' گچ اور مٹی وغیرہ کی خاصیت سے جاہل ہے تو پھر کس طرح وہ ایک مکان بنا سکتا ہے' اگر اس نے کوئی مکان بنا بھی لیا تو وہ مکان کاہے کا ہوگا بلکہ نقائض کا ایک ٹیلہ' اور اخلاط مواد کا ایک انبار ہو گا اور ایسا مکان یقیناً اپنی بنیادوں پر بارہ صدی تک قائم نہیں رہ سکتا جس میں دو سو ملین نفوس بھی زندگی بسر کریں' بلکہ تھوڑے ہی دنوں کے بعد اس مکان کی بنیادیں منہدم ہو جائیں گی اور سارا مکان اس طرح فنا ہو جائے گا کہ گویا کبھی وجود ہی میں نہیں آیا تھا۔

قوانین فطرت: مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ انسان کے لئے تمام امور میں قوانین فطرت کے مطابق چلنا ضروری امر ہے ورنہ وہ

اپنے مقصود اور مطلوب میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا' واللہ جو باتیں یہ کافر لوگ مشہور کر رہے ہیں وہ قطعاً جھوٹی اور مزخرف ہیں جن کو انہوں نے حق سمجھ لیا ہے' اور بالکل باطل اور وہمی ہیں جن کو مزین کر کے انہوں نے سچ سمجھ لیا ہے' یہ تو ایک بڑی مصیبت ہے کہ اس قدر لوگ اتنے زمانہ تک اس قسم کی گمراہیوں میں مبتلا رہیں' اور اس قدر طویل زمانہ تک یہ جھوٹی باتیں ان کی سیادت کریں اور ان کی قائد بنی رہیں۔ بلکہ یہ باتیں جیسا کہ میں نے پہلے بھی ذکر کیا ان اوراق مالی میں داخل ہیں جو جھوٹ اور مکر وفریب کے ہوتے ہیں' اور جن کو جھوٹے لوگ اپنے گنہگار ہاتھ سے بطور حیلہ نکال کر دوسروں کو مصیبت میں ڈال دیتے ہیں اور خود ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا' واللہ فرانسیسی بغاوت اور اس جیسے فتنہ وفساد سے بڑھ کر انسان کے لئے اور کون سی مصیبت ہوسکتی ہے' یہ تمام بغاوتیں زور زور سے چیخ رہی ہیں کہ ''یہ تمام جھوٹے اوراق ہیں۔''

مرد کبیر: میں یقینی طور پر کہتا ہوں کہ کسی بڑے انسان کا جھوٹا ہونا قطعاً محال ہے' کیونکہ سچائی ہی اس کی اور اس کے تمام محامد وفضائل کی بنیاد ہوتی ہے' میرا تو خیال ہے کہ بڑے بڑے لوگ جیسے میرابو' نپولین اور کرومویل وغیرہ کسی کام کے لئے اسی وقت میدان عمل میں اترے جبکہ صدق' اخلاص' اور بھلائی کی محبت وغیرہ ان کے اعمال کے لئے باعث ہوئے' خلاصہ یہ کہ مرد کبیر ہر چیز سے پہلے اپنے اندر سچی نیت اور اخلاص پیدا کرتا ہے۔

مرد کبیر کا اخلاص: بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ اخلاص۔۔۔ وہ اخلاص جو شریف' عمیق اور اہم ہو۔۔ کسی بڑے انسان کے لئے سب سے پہلی خاصیت ہے اس سے میری مراد اس انسان کا اخلاص نہیں جو ہمیشہ اپنے اخلاص پر لوگوں کے سامنے فخر وغرور کیا کرتا ہے' کیونکہ یہ اخلاص تو یقیناً حقیر اور قابل نفرت ہے واللہ وہ اخلاص جو سطحی اور برا ہو درحقیقت وہی اصل غرور اور فتنہ ہے' مرد کبیر لوگوں کے سامنے اپنے اخلاص کو کبھی نہیں بیان کرتا' حتیٰ کہ خود اس کو اپنے اخلاص کا شعور بھی نہیں ہوتا بلکہ بسا اوقات تو وہ اپنے اندر عدم اخلاص محسوس کرتا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ ہمارے اندر اتنی طاقت کہاں کہ ہم ایک دن بھی صحیح راستہ پر چل سکیں؟ بلاشبہ مرد کبیر اپنے اخلاص پر کبھی فخر نہیں کرتا بلکہ وہ تو اپنے نفس سے یہ بھی نہیں کہتا کہ تو مخلص ہے' بالفاظ دیگر میں کہتا ہوں کہ اس کا اخلاص اس کے ارادہ پر موقوف نہیں ہوتا' وہ اپنی مرضی کے خلاف بھی مخلص رہتا ہے خواہ اخلاص کا ارادہ کرے یا نہ کرے' وہ اس وجود کو ایک حقیقت کبریٰ سمجھتا ہے جو اس کو اپنے عجائب سے خوفزدہ کر دیتی اور گھبرا دیتی ہے اور وہ اس وجود کو ایک ایسی حقیقت خیال کرتا ہے کہ اس کے جلال و جمال سے لاکھ علیحدہ رہنے اور بھاگنے کی کوشش کرے لیکن نہیں بھاگ سکتا' اللہ تعالیٰ مرد کبیر کے ذہن کو ایسا ہی پیدا کرتا ہے اور اس کے ذہن کا اس طرح پر پیدا ہونا ہی اس کی عظمت کے اسباب میں سب سے اول سبب ہے' وہ اس کون کو خوف اور حیرت کی نظروں سے دیکھتا ہے بلکہ فی الواقع حیات وموت کے مثل سمجھتا ہے' یہ حقیقت کبھی اس سے علیحدہ نہیں ہوتی اور یہی حقیقت جب اکثر لوگوں سے علیحدہ ہو جاتی ہے تو وہ بھٹک جاتے اور گمراہی کے تاریک میدان میں ادھر ادھر گھومتے پھرتے ہیں' غرض کہ یہ حقیقت ایک مرد کبیر کے لئے ہمیشہ مدنظر رہتی اور اسکا نصب العین ہو جاتی ہے گویا وہ اس کو شعلوں کے حروف سے لکھی ہوئی نظر آتی ہے' اس میں اس کو کوئی شک وشبہ نہیں ہوتا وہ دیکھتا ہے کہ ہاں یہی وہ حقیقت ہے! یہی وہ حقیقت ہے! دوستو! بس سمجھ لو کہ یہی وہ چیز کسی مرد کبیر کی پہلی صفت ہے اور یہی اس کی حد جوہری اور تعریف تام ہے' کبھی کبھی یہ چیز کسی مرد صغیر میں بھی پائی جاتی ہے' اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہر اس انسان کی صفت ہے جس کو اللہ نے پیدا کیا ہے' لیکن فی الواقع یہ مرد کبیر کے لوازم میں سے ہے اور ایک انسان اس وقت تک بڑا نہیں ہوسکتا جب تک

کہ یہ صفت اس میں موجود نہ ہو۔

بس یہی شخص جس کو ہم اصل انسان' صاف جوہر والا اور کریم العنصر کہیں گے دراصل وہ رسول ہوتا ہے جو ابدیت مجہولہ یعنی خدا کی طرف سے ہمارے پاس پیغام لے کر آتا ہے' اسی انسان کو ہم کبھی شاعر' کبھی نبی اور کبھی دیوتا کہہ دیتے ہیں' یہ سب برابر ہیں' ہم کو معلوم ہے کہ اس انسان کا قول اس جیسے کسی دوسرے انسان سے ماخوذ نہیں ہوتا بلکہ وہ حقائق اشیاء کے مغز سے صادر ہوتا ہے وہ انسان ہر چیز کے باطن کو دیکھتا ہے' باطل اصطلاحات' کاذب اعتبارات' خراب عادات' فاسد اعتقادات' اور سخیف و کمزور آراء و اوہام' اس انسان سے اس باطن کو چھپا نہیں سکتے اور کس طرح چھپا سکتے ہیں' حقیقت اس کی آنکھوں کے سامنے بالکل منور ہوتی ہے یہاں تک کہ قریب ہے کہ اپنی نورانیت کے باعث ہی مخفی ہو جائے۔

مرد عظیم کے کلمات: اگر تم کسی بڑے انسان کے کلمات کو بغور دیکھو گے خواہ وہ شاعر ہو یا فیلسوف' نبی ہو یا بادشاہ' تو ان کو ایک قسم کی وحی ہی پاؤ گے' مرد عظیم میرے خیال میں دراصل دنیا کے دل اور کون کے راز سے پیدا کیا جاتا ہے اس لئے وہ اشیاء کی حقائق جوہریہ کا ایک جز ہے' چند آیات اور نشانیوں سے اپنے وجود پر استشہاد پیش کرتا ہے' خلاصہ یہ کہ مرد کبیر ہی وہ سہتی ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ علم و حکمت سکھاتا ہے' لہٰذا ہم انسانوں کے لئے ضروری ہے کہ ہم ہر چیز کے پہلے ان کی طرف متوجہ ہوں اور ان کی باتوں کو بغور سنیں۔

مذکورہ بالا تحقیقات کے تحت ہم محمد صلعم کو کبھی ایک جھوٹا انسان نہیں سمجھ سکتے جو ریاکارانہ طور پر مکر و فریب کے ذریعے اپنے کسی ذاتی مقصود کو حاصل کرنے کی فکر میں رہے ہوں یا سلطنت اور ملک حاصل کرنا چاہتے ہوں یا انکے علاوہ اور کوئی حقیر و صغیر مقصود رہا ہو' جو رسالت انہوں نے پہنچائی ہے وہ بالکل حق صریح ہے' ان کی آواز ایک سچی آواز ہے جو عالم مجہول سے صادر ہوئی ہے' یقیناً محمد صلعم جھوٹے اور ریاکار انسان نہ تھے بلکہ وہ تو زندگی کا ایک ایسا ٹکڑا تھے جس سے قلب طبیعت پھٹ گیا' وہ ایک شہاب تھے جس نے تمام عالم کو منور کر دیا' یہ اللہ کا امر ہے' اور یہی اللہ کا فضل ہے جس کو چاہتا عنایت کرتا ہے اور اللہ بڑا فضل ولا ہے' یہی وہ حقیقت ہے جو ہر باطل کے پرخچے اڑا دیتی اور کافروں کی تمام حجتوں کو توڑ کے رکھ دیتی ہے۔

مرد کبیر کی غلطیاں: محمد صلعم سے (معمولی تدبیری نوعیت کی) کچھ غلطیاں بھی ہوئی ہیں [1] اور کون ایسا انسان ہے جو غلطی نہیں کرتا' عصمت تو صرف اللہ کے لئے مخصوص ہے' بہرحال ان معمولی غلطیوں کے اندر یہ طاقت نہیں کہ وہ اس حقیقت کبریٰ میں کچھ عیب لگا سکیں کہ محمد ﷺ ایک سچے انسان اور خدا کے پیغمبر تھے۔

عام طور پر ہم لوگ معمولی غلطیوں کو دیکھتے اور ان کی جزئیات سے ایسے پردے بنا لیتے ہیں جو ہم سے حقائق کلیہ کو چھپا لیتے ہیں غلطیاں کیا ہیں؟ کیا انسان سمجھتا ہے کہ غلطیوں سے ایک فرد انسان بھی بچا ہوا ہے؟ ہرگز نہیں' میرے نزدیک کسی شخص کی سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ وہ خود کو تمام غلطیوں سے محفوظ اور پاک و صاف سمجھے' اللہ کے نبی داؤدؑ کو دیکھو' کیا داؤد علیہ السلام سے لغزش سرزد نہ ہوئیں؟ [1] (نعوذ باللہ) وہ غلطیاں جو صرف جزئیات اور پوست ہوں بالکل آسان اور معمولی چیزیں ہیں' اگر ان کا مغز صاف اور باطن شریف اور خالص توبہ موجود ہو' علاوہ ازیں صادق ندامت' دل کی سرزنش' ذاکرہ کی ملامت' یہ سب چیزیں بھی گناہوں کے لئے زبردست کفارہ ہیں اور روح کو ہر قسم کے میل کچیل سے پاک و صاف کر دیتی ہیں' کیا توبہ دنیا کے تمام انسانوں کے نزدیک تمام اعمال میں زیادہ کریم اور تمام افعال میں زیادہ مقدس نہیں؟ دراصل قابل ملامت گناہ یہ ہے کہ ایک انسان اپنے کو تمام گناہوں سے

---

1. اسلامی نقطۂ نگاہ سے پیغمبر معصوم عن الخطاء ہوتے ہیں۔ یہاں تھامس کارلائل سے اس کے مسیحی پس منظر کے باعث تسامح ہوا ہے۔ (ادارہ)

پاک وصاف خیال کرے، ہر وہ انسان جس کی یہ حالت ہو وہ میری نظر میں وفا اور مروت سے خالی، اور تقویٰ، نیکی اور حق سے بالکل دور ہے یا یہ انسان دراصل ایک مردہ انسان ہے، اگر تم چاہو تو یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ وہ مردہ خشک ریت کی طرح بالکل صاف ہے، میں تو سمجھتا ہوں کہ داؤد علیہ السلام کی سیرت اور تاریخ جیسا کہ ان کے مزامیر میں مذکور ہے، مکرمات کے معارج میں انسانی ترقی پر سب سے زیادہ بہتر اور صادق دلیل، نیز عقل وخواہش کی جنگ پر سب سے زبردست شاہد ہے، عقل وخواہش کی وہ جنگ جس میں اکثر عقل کو خطرناک شکست ہوتی اور وہ فنا کے قریب قریب پہنچ جاتی ہے، لیکن یہ جنگ غیر متناہی جنگ ہے جس میں ہمیشہ عقل کی مددگار یہ چیزیں ہوتی ہیں، سچے دل سے توبہ، خدا کے دربار میں عاجزی اور وہ پختہ ارادہ جو ہر شکست اور ہزیمت کے بعد از سر نو وجود میں آتا ہے۔

نفس انسانی بھی عجیب مصیبت میں ہے کیونکہ وہ خود تو ضعیف وکمزور لیکن اس کی شہوت حد درجہ قوی اور طاقتور ہے، کیا اس دنیا میں انسان کی زندگی لغزشوں کا ایک سلسلہ نہیں؟ کیا انسان کے اندر یہ طاقت ہے کہ وہ اس کا خلاف کر سکے؟ کیا اس زندگی کی تاریکی میں انسان غلطی اور خبط کے علاوہ اور کسی چیز کی طاقت رکھتا ہے؟ انسان دراصل ایک لغزش سے ہوشیار کسی دوسری ہی لغزش کے لئے ہوتا ہے اور ان دونوں لغزشوں کے درمیان آنسو اور گریہ وزاری ہوتی ہے، جو چیز یہاں پر اہم ہے وہ یہ ہے کہ کیا ان تمام مجاہدات اور کوششوں کے بعد انسان اپنی خواہشات پر غالب اور کامیاب ہوتا ہے؟ اگر ہمارے سامنے اصلی مغز اور صحیح ارادہ ہو تو ہم کو اکثر جزئیات سے اعراض کر لینا چاہئے کیونکہ صرف جزئیات ہی تنہا وہ نہیں ہیں جن سے ہم کو انسان کی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔

عرب اور جزیرہ عرب کی صفت: دور جاہلیت کے عرب حد درجہ شریف تھے اور ایک شریف ملک میں ان کی سکونت تھی، گویا اللہ نے ملک اور باشندۂ ملک دونوں کو ہر چیز میں بالکل متفق پیدا کیا تھا، جس طرح وہاں کے پہاڑ سخت تھے اسی طرح ان کے اخلاق بھی سخت تھے، اور جس طرح عرب کا منظر خشک اسی طرح ان کی طبیعت بھی خشک تھی، اور جس طرح ان سخت دل لوگوں میں بعض نرم اور حلیم و بردبار مزاج کے انسان تھے، اسی طرح ملک کے سخت چٹانوں اور سنگریزوں کے درمیان بھی کسی کسی جگہ سرسبز وشاداب باغ، چشمے اور عمدہ سبز گھاس موجود تھی، ایک اعرابی بالکل ہی کم سخن ہوتا ہے اور اسی جگہ بولتا ہے جہاں اس کا کچھ مقصود ہو، کیونکہ وہ ایسی زمین پر آباد ہے جو چٹیل میدان ہے گویا ملک عرب ریت اور بالو کا ایک سمندر ہے جو دن بھر گرم اور تپتا ہوا رہتا ہے، پھر رات ہوتے ہی یہی ریت کا سمندر ٹھنڈی ہوا لگنے سے بالکل ہی سرد اور خشک ہو جاتا ہے۔

میرا خیال ہے کہ وہ لوگ جو صحراؤں اور چٹیل میدانوں میں انفرادی زندگی بسر کرتے ہیں وہ ظواہر طبعی اور ان کے اسرار پر اسی وقت گفتگو کرتے ہیں جبکہ وہ ذکی القلب، تیز ذہن، خفیف الحرکہ اور ثاقب نظر والے ہوں، اگر یہ صحیح ہے کہ ملک فارس بمنزلہ فرانس ہے تو بلاشک وشبہ عرب بمنزلہ اٹلی ہے، یہ عربی لوگ حد درجہ مضبوط نفس والے ہوتے ہیں، ان کے اخلاق گویا ایک سیلاب تھے، ان کا شدت حزم اور ان کا مضبوط ارادہ ان کے لئے ایک محفوظ قلعہ اور ایک محفوظ فصیل تھے، فی الواقع یہی صفات اصل فضائل اور شرافت کی بلند چوٹی ہیں۔ ایک عربی اپنے سخت جانی دشمن کی بھی مہمان نوازی کیا کرتا تھا، اس کی بے حد تعظیم کرتا اور اس کے لئے اپنا اونٹ ذبح کرتا، پھر جب وہ دشمن مہمان رخصت ہوتا تو اس کو خلعت اور سواری بھی دیتا اور اس کے پیچھے پیچھے کچھ دور تک چلتا تھا، لیکن تمام عزت کے باوجود جب کبھی اس کو موقعہ ملتا، تو اس کے قتل سے بھی باز نہیں رہتا تھا، ایک عربی اکثر اوقات میں خاموش رہتا اور جب بولتا تو نہایت ہی فصیح بولتا تھا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عرب لوگ یہودی عنصر ہیں' مگر حقیقت یہ ہے کہ عرب لوگ جدوجہد کی سختی میں تو یہودیوں کے شریک تھے' لیکن حسنِ اخلاق' رقت ظرف' اور صفائی قلب وغیرہ میں یہودیوں کے بالکل مخالف تھے' محمد ﷺ کے زمانے سے پہلے عرب لوگ شعر گوئی میں باہم خوب مقابلے کرتے تھے' جنوبی ملک میں بازار عکاظ کے اندر یہ زبردست مقابلہ ہوا کرتا تھا' جہاں تجارت کی مختلف قسمیں خرید وفروخت کی جاتی تھیں' جب خرید وفروخت ختم ہو جاتی تو پھر شعرا اپنے اپنے قصائد سناتے تھے' کیونکہ ان قصائد میں جو اچھے اور بہترین قصائد ہوتے تھے ان پر ان کو انعام ملتا تھا' اگرچہ عرب خشک طبیعت اور سنگدل ہوا کرتے تھے' لیکن قصیدوں کے نغمے سن کر حد درجہ مسرور ہوتے اور قصیدوں کے گانوں میں ان کو ایسی لذت ملتی تھی کہ ان کو سننے کے لئے پروانوں کی طرح ٹوٹ پڑتے اور ہلاک ہوتے تھے۔

عرب میں تدین: مجھے ان عربوں کے اندر اسرائیلی صفات میں سے ایک صفت بہت صاف نظر آتی ہے جو تمام فضائل اور محاسن کی اصل ہے اور وہ تدین ہے جب سے بھی ان کا وجود ہوا وہ ہمیشہ کسی نہ کسی دین پر رہے' ابتداً کواکب اور بہت سے کائنات طبیعی کی پرستش کرتے تھے' ان مظاہر کائنات کو خالق کے مظاہر اور اس کی عظمت پر دلیل سمجھتے تھے' یہ خیال اگرچہ غلط ہے لیکن من کل الوجوہ غلط نہیں کیونکہ خدائی مصنوعات کسی نہ کسی طرح ہمیشہ سے خدا کے لئے رموز اور اس کے وجود کے لئے دلیل ہوئی ہیں' ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ایک شاعر کے لئے قابل فخر اور قابل فضیلت یہ ہے کہ کائنات کے اسرار اور ان کے جمال وجلال کا ادراک کرے' جس کا نام لوگوں نے اصطلاحاً ''اسرار جمال شعری'' رکھا ہے' پہلے ان عربوں کے پاس بہت سے نبی ہوا کرتے تھے' یہ انبیاء ہر ہر قبیلہ کے استاذ اور رہنما ہوتے تھے' یہ رہنمائی اسی حد تک ہوتی تھی' جس حد تک اس کا مبلغ علم اس کی تائید کرتا' ہمارے پاس براہین ساطعہ موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ان مفکرین بدویوں کے پاس حکمت بلیغہ' درست رائے' بہترین تقویٰ اور اخلاص سب ہی کچھ تھے۔

سفر ایوب کی تصنیف ملک عرب میں ہوئی: تمام ناقدوں کا اتفاق ہے ''سفر ایوب'' جو تورات کے حصوں میں سے ایک حصہ ہے اس کی تصنیف ملک عرب ہی میں ہوئی تھی' اس کتاب کے متعلق میری رائے تو یہ ہے کہ آج تک قلموں نے جس قدر لکھے اور کاتب کے ہاتھوں نے جس قدر تدوین کئے وہ ان تمام میں سب سے زیادہ اعلیٰ اور شریف کتاب ہے' ایک انسان تو یہ تصدیق کرنے میں بھی پس وپیش کرتا ہے کہ یہ عبرانی آثار سے ہے' کیونکہ اس کتاب میں ایسی عام شریف و بلند فکریں پائی جاتی ہیں' جو تعصب اور تحیز کے بالکل مخالف ہیں' اس کتاب کی شرافت اور برتریت کے لئے صرف اس قدر کافی ہے کہ وہ ہر انسانی روح کی رگوں میں اثر کرتی' اور قلب کی انتہائی گہرائی تک پہنچ جاتی ہے اور اس مکان کے مثل ہے کہ جہاں پر آ کر ہر طرف سے راستے ختم ہو جاتے ہوں یا اس گول لڑھکنے والی چیز کی طرح ہے جس کو سطح زمین کے تمام اطراف اپنی طرف لانے کی کوشش کرتے ہیں' یہی وہ پہلی کتاب ہے جس میں انسانی حیات کے مسائل اور اس دنیا میں اللہ کے فعل سے بحث کی گئی ہے' اور یہ بحث بھی بہترین پیرایۂ بیان' بے حد اخلاص' اور نہایت سہل انداز میں لکھی گئی ہے۔

میں تو اس کتاب میں بصیرت والی آنکھیں' سمجھ والا قلب' اور بے انتہا خشوع محسوس کرتا ہوں' یہ کتاب بالکل حق ہے' تم اس کے پاس جس طرح بھی آؤ' اس میں ایسی نظر دیکھو گے جو ہر شے کی حقیقت پر جا کر ٹھہری ہے اور ہر مادی وروحانی شے کی اصلیت اس میں موجود ہے' گھوڑے کے ذکر میں جو کچھ اس میں مذکور ہے اس کو مطالعہ کرو ''خدا وہی ہے جس نے گھوڑے کے حلق میں رعد اور

کڑک ودیعت کر دیا ہے' اس کی ہنہناہٹ کیا ہے؟ نیزے کو دیکھ کر قہقہہ لگانا ہے'' دیکھو واللہ کس قدر بہترین اور پاکیزہ استعارہ ہے' تشبیہات کی دنیا میں شاید ہی کوئی ایسی تشبیہہ ہو جو اس کے مشابہ اور مساوی ہو' علاوہ ازیں اس کتاب میں جو آیات حزن اور توکل وغیرہ کی بحثیں ہیں وہ بھی ایسی ہی ہیں' میں نے جب بھی ان مقامات کو پڑھا تو ایسا معلوم ہوا کہ تمام انسانی قلوب رنج وغم میں مبتلا ہو کر مترنم ہیں اور سوزش غم سے تمام انسانی آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں' اس کتاب کے مطالعہ سے شدت میں رقت اور قوت میں رافت پیدا ہوتی ہے' اس کتاب کا اگر کوئی چیز مقابلہ کر سکتی ہے تو وہ صرف صاف وشفاف رات کا سحر' نسیم سحری کی رقت اور عجائب عالم مثلاً ستارے' سمندر اور رات ودن وغیرہ ہیں' میں تو سمجھتا ہوں کہ فضل و قیمت میں تورات کا کوئی حصہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

حجر اسود اور کعبہ: حجر اسود کسی زمانہ میں عرب کے عام معبودوں میں سے ایک معبود تھا اور اب تک مکہ میں اس عمارت میں موجود ہے جس کو کعبہ کہتے ہیں ایک رومی مورخ ''سیسلاس'' نے بھی کعبہ کا ذکر کیا ہے چنانچہ وہ کہتا ہے: کعبہ اپنے زمانے میں تمام عالم کے معابد سے زیادہ شریف اور زیادہ قدیم تھا' اور یہ قبل مسیح پچاس سال قبل کا قول ہے' ایک دوسرا مورخ سلفسٹار دی ساسی کہتا ہے کہ ''حجر اسود آسمان سے گرنے والے پتھروں میں سے ہے' اگر یہ صحیح ہے تو یقیناً لوگوں نے اس کو فضا سے گرتے ہوئے دیکھا ہوگا' یہ پتھر چاہ زمزم کے بازو میں ابھی تک موجود ہے اور کعبہ انہیں دونوں کے اوپر بنایا گیا ہے۔

چاہ زمزم: آپ کو معلوم ہے کہ ایک کنواں جہاں بھی ہو انسان میں فرح اور خوشی پیدا کرنے والا ہے' پانی سخت پتھر سے اسی طرح نکلتا ہے جس طرح موت سے حیات' پھر وہ کنواں کس قدر فرحت انگیز ہو گا جس میں پانی کا چشمہ جاری ہو' پانی کے بہنے اور چلنے کی آواز سے مشتق کر کے یہ لفظ زمزم بنایا گیا' عربوں کا خیال ہے کہ یہ پانی حضرت ہاجرہ اور اسماعیل علیہما السلام کے قدموں کے نیچے سے جاری ہوا تھا اور یہ خدا کا ایک فیض تھا' عرب لوگ اس زمزم اور حجر اسود کو مقدس سمجھتے ہیں اور انہی دونوں پر آج سے ہزاروں ہزار سال پہلے کعبہ کی بنیاد رکھی گئی تھی۔

کعبہ: یہ کعبہ بھی دنیا کی عجیب چیزوں اور عجیب شان والوں میں سے ایک عجیب شان والی چیز ہے' اس وقت یہ عمارت اپنی بنیاد پر قائم ہے' اور اس پر ایک سیاہ غلاف پڑا ہوا رہتا ہے جس کو سلطان ہر سال بھیجا کرتا ہے' اس عمارت کی بلندی ستائس ذراع اور اس کے گرد ستونوں کا ایک وسیع دائرہ بنا ہوا ہے' جس میں قندیلوں کی صفیں معلق ہیں اور عجیب وغریب نقوش و زخارف بھی بنے ہوئے ہیں' یہ تمام قندیلیں رات کو روشن کر دی جاتی ہیں تاکہ چمکنے والے ستاروں کے نیچے یہ عمارت بھی اپنی چمک دکھائے' یہ عمارت بھی گذشتہ دور کا کیا ہی بہترین اثر اور کیا ہی بہترین میراث ہے' یہی مسلمانوں کا کعبہ ہے جس کی طرف انتہائے مشرق سے انتہائے مغرب تک یعنی دہلی سے لے کر مراکش تک کے مسلمانوں کی نظریں متوجہ ہوتی ہیں' اور ہر روز پانچ مرتبہ ان کے قلوب اس طرف مائل ہوتے ہیں' قسم خدا کی فی الواقع تمام مراکز معمورہ میں سب سے زیادہ بزرگ اور تمام اقطاب میں سب سے زیادہ شریف یہی ہے۔

چاہ زمزم' حجر اسود کی قدسیت اور قبائل عرب کا اس مکان کی زیارت کو آنا یہی وہ تمام چیزیں ہیں جن سے شہر مکہ کی آبادی ہوئی۔ ایک زمانہ میں یہ شہر بہت ہی اہم شہر تھا' اگرچہ اب اس کی اکثر اہمیت زائل ہو گئی ہے' وقوع شہر کی جگہ نہایت خراب ہے کیونکہ ایسی جگہ آباد کیا گیا ہے جہاں ریت بکثرت ہے' ہر طرف بڑے بڑے چٹیل میدان اور بیشمار پہاڑی ٹیلے پھیلے ہوئے ہیں' سمندر سے بہت دور کی مسافت پر واقع ہے' شہر کی تمام ضروریات حتیٰ کہ روٹی بھی

دوسری جگہ سے لائی جاتی ہے' لیکن اس شہر کی تعمیر کی ضرورت اس لئے واقع ہوئی کہ اکثر حاجیوں کو ایک پناہ گاہ کی ضرورت تھی' پھر زمانۂ قدیم سے اماکن حج تجارت کے بھی مقامات تھے' وہ پہلا دن جس میں حاجی لوگ باہم ملتے تھے' اسی روز تجار اور خرید وفروخت کرنے والے بھی باہم ملا کرتے تھے' یہ عربی لوگ جہاں بھی کسی مقصد کے لئے جمع ہوتے وہاں حصول منافع کو کسی طرح بھی برا نہ سمجھتے تھے' اس طرح پر مکہ تمام ملک عرب کا بازار ہو گیا' اور ان تمام تجارتوں کا مرکز بن گیا جو ہندوستان' شام' مصر اور اٹلی وغیرہ ممالک کے درمیان اس زمانہ میں ہوتی تھیں' کسی وقت یہاں کے باشندوں کی تعداد ایک لاکھ تھی' جس میں بائع' مشتری اور مسافرین سب ہی داخل تھے اور اس کی حکومت ایک قسم کی ارسطوکریسی جمہوری تھی' جس پر مذہبی رنگ چڑھا ہوا تھا' کیونکہ یہ لوگ حکومت کا انتخاب غیر منظّم طریقہ سے کیا کرتے تھے' کسی بڑے قبیلہ سے دس آدمی' بس یہی دسوں اشخاص مکہ کے حکام اور کعبہ کے محافظ ہوتے تھے' محمد ﷺ کے زمانہ میں یہ حکومت قبیلہ قریش میں تھی اور آپ اسی قبیلہ قریش سے تعلق رکھتے تھے باقی تمام قوم ریتوں میں ادھر ادھر پھیلی ہوئی تھی' ایک قبیلہ کو دوسرے قبائل سے صحرا یا ریت کا میدان جدا کرتا تھا' اور ہر قبیلہ پر ایک یا چند امیر ہوا کرتے تھے' کبھی تو امیر کوئی چرواہا یا سامان و اسباب اٹھانے والا ایک مزدور بھی ہوتا تھا' مگر اکثر امیر رہزن ضرور ہوا کرتے تھے' جنگ کے شعلے ان قبائل میں کبھی نہ بجھے' حدود کعبہ کے علاوہ ان کے درمیان کسی جگہ بھی دوستی نہ ہو سکتی تھی' کعبہ ہی وہ جگہ تھی جو انہیں ایک مذہب' روابط خون اور زبان کی حیثیت سے ایک جگہ جمع کر سکتا تھا' اسی طریقہ پر عربوں نے صدیوں زندگی بسر کی جن کی آج کوئی علامت اور کوئی نشان بھی موجود نہیں' یہ لوگ مناقب جلیلہ اور صفات کبیرہ کے مالک تھے' عدم شعوری کی حالت میں اس دن کا انتظار کر رہے تھے جس میں ان کا ذکر پھیلنے والا' ان کی شہرت دنیا میں مشہور ہونے والی اور ان کی آواز آسمان تک بلند ہونے والی تھی' اور یہ کوئی بعید نہیں تھی' گویا ان کی بت پرستی دائرہ اضمحلال میں پہنچ گئی تھی' سقوط کی علامتیں ظاہر ہو چکی تھیں اور خلط ملط کے اسباب پیدا ہو چکے تھے' بہت ہی قدیم زمانے سے ان کے کانوں میں اس بڑے حادثہ کی اہم خبریں پہنچ چکی تھیں جو روئے زمین پر واقع ہوا تھا یعنی حیات و وفات مسیح جس نے عالم کے تمام باشندوں میں ہولناک انقلاب پیدا کر دیا تھا' عربی قوم کے اندر بھی یہ خبر اپنا اثر پیدا کرنے سے عاجز نہ رہی تھی۔

محمد صلعم کی ولادت اور تربیت: عربوں کی یہی مذکورہ بالا حالت تھی کہ اس وقت محمد ﷺ ۵۷۰ء میں پیدا ہوئے' آپ قبیلہ قریش کے ہاشم خاندان سے تھے' آپ کے والد کا انتقال آپ کی پیدائش کے بعد فوراً ہی ہو گیا تھا' جب آپ کی عمر مبارک چھ سال کی ہوئی' تو والدہ کا انتقال ہو گیا' یہ اپنے حسن و جمال اور فضل و عقل میں بہت مشہور تھیں' اس کے بعد آپ کی پرورش دادا کے ذمے ہوئی جو ایک بہت ہی بوڑھے انسان تھے سو سال کی عمر تھی' نہایت ہی نیک اور صالح بزرگ تھے' آپ کے لڑکے عبداللہ رسول اللہ ﷺ کے والد تمام اولاد میں سب سے زیادہ ان کے نزدیک محبوب تھے' ان کی ضعیف اور بوڑھی آنکھوں نے محمدؐ میں عبداللہ کی صورت دیکھی' اس لئے اپنے اس چھوٹے یتیم پوتے سے بے حد محبت کرنے لگے اور کہتے تھے کہ اس چھوٹے خوبصورت بچے کی اچھی طرح پرورش اور نگہداشت کی جائے جو اپنے حسن و فضل میں تمام قبیلہ اور خاندان سے فائق ہوگا' جب ان کی وفات کا وقت پہنچا اور ابھی یہ بچہ دو سال سے زیادہ کا نہیں ہوا تھا تو اس بچہ کو ابوطالب کے حوالہ کیا جو بچہ کا سب سے بڑا چچا اور اب خاندان کا سردار تھا' چنانچہ چچا نے اس کی پرورش کی' ابوطالب ایک عاقل شخص تھے جس کی پوری شہادت ان کے عمدہ عربی نظام کی ہر دلیل سے مل سکتی ہے۔

شام کا سفر اور بحیرا راہب سے ملاقات: جب محمد ﷺ بالغ ہوئے اور شعور پیدا ہوا تو اپنے چچا کے ساتھ تجارتی سفروں میں جانے لگے اور اٹھارہ سال کی عمر ہی میں ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ایک بہادر شہسوار ہو گئے اور تمام جنگوں میں اپنے چچا کے ساتھ مل کر حصہ لینے لگے' لیکن ان کا اہم سفر وہی تھا جو اس تاریخ سے چند سال قبل علاقہ شام کی طرف ہوا تھا' کیونکہ وہیں اس نوجوان نے خود کو ایک عالم جدید میں پایا اور ان کی نظروں کے سامنے ایک اہم اجنبی مسئلہ ظاہر ہوا' یعنی دیانت مسیحی سے تعارف' مجھے معلوم نہیں کہ اس راہب سرجیاس ''بحیرا؟'' کے متعلق کیا تحریر کروں جس کی بابت خیال کیا جاتا ہے کہ ابوطالب اور محمد ﷺ دونوں اس کے مکان میں ٹھہرے اور نہ ہی میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ ایک لڑکا اس کم سنی میں کسی راہب سے کیا سیکھ سکتا ہے' کیونکہ محمد صلعم کی عمر اس وقت 14 سال سے زائد نہ تھی' اپنی زبان کے علاوہ دوسری زبانوں سے بالکل ناواقف تھے' اس میں کوئی شک نہیں کہ شام کے اکثر حالات اور مشاہدات ان کی نظر میں مخلوط اور مشوش نظر آئے' بعض منکرات دیکھنے میں آئے اور ان کو سمجھ نہ سکے' لیکن نوجوان کی دونوں آنکھیں بہت ہی دور بیں اور دور رس تھیں' ضرور ان کے دل کے لوح پر کچھ امور اور مشاہدات منقش ہوئے ہوں گے' یہ چیزیں ان کے دل کی گہرائیوں میں قائم ہو گئیں' اگرچہ غیر مفہوم ہی سہی تا کہ صبح و شام کی تکرار ان کو پختہ کرے اور کسی دن زمانے کا ہاتھ ان کی تحلیل کرے' پھر انہی سے آراء و عقائد اور ناقد نظریے پیدا ہوں' بہرحال غالباً شام کا یہ سفر محمد صلعم کے لئے ابتداً ہی خیر کثیر اور بہت کچھ فوائد کا حامل ثابت ہوا۔

محمدؐ کی امیت: اس جگہ ایک دوسری چیز بھولنے کے لائق نہیں ہے' وہ یہ کہ محمد صلعم نے کبھی بھی کسی استاد سے ایک سبق بھی نہیں پڑھا' اس وقت ملک عرب میں تحریر کی صنعت بالکل ہی ابتدائی حالت میں تھی' مجھے بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فی الواقع محمد صلعم لکھنا' پڑھنا نہیں جانتے تھے' اور جو کچھ وہ جانتے تھے وہ صرف صحرا کی زندگی اور اس کے حالات تھے' اور جو کچھ اس غیر متناہی کون کے متعلق ان کی معرفت میں زیادتی ہوئی' ان کو خود اپنے عینی مشاہدوں اور دل سے حاصل کیا' قسم خدا کی محمدؐ کی امیت بھی عجیب ہے! اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ عالم اور اس کے علوم کے متعلق کچھ نہیں جانتے تھے' جو کچھ حاصل کیا اس کو اپنی بصیرت سے حاصل کیا' یا یہ وہ باتیں تھیں جو ان کے کانوں میں صحراء عرب کی تاریکی میں پہنچیں اگر وہ عالم کے قدیم و جدید علوم کو نہ جانتے تھے تو اس سے ان کو کچھ ضرر نہیں پہنچتا اور یہ کوئی عیب کی بات نہیں کیونکہ وہ ذاتی طور پر ان تمام علوم سے بے نیاز تھے' محمد صلعم نے کسی دوسرے انسان کے نور سے کچھ بھی اقتباس نہیں کیا اور نہ کسی دوسرے کے گھاٹ سے پانی پیا' وہ دوسرے انبیاء اور عظماء سے ہر ہر چیز میں مشابہت نہیں رکھتے تھے' جو زمانہ کی خطرناک تاریکی میں بمنزلہ چراغ کے ہیں۔ بلکہ انہوں نے قلب صحرا میں تنہا زندگی بسر کی' اور اپنی فطرت اور افکار کے درمیان تنہا پرورش پائی۔

بچپنی کے زمانہ سے محمدؐ کی سچائی: ابتدائی حالات سے ہی ان میں دیکھا گیا کہ وہ ایک مفکر نوجوان تھے۔ ان کے دوستوں نے ان کا نام امین رکھا تھا' یعنی صدق و وفا کا انسان۔ ان کے افعال' اقوال اور افکار ہر چیز میں سچائی پائی جاتی تھی' لوگوں نے دیکھا کہ جو کلمہ ان کے دہان مبارک سے نکلتا ہے اس میں زبردست حکمت ہوتی ہے' مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ بہت خاموش رہنے والے انسان تھے' جہاں کلام کی ضرورت نہ ہوتی تھی وہاں خاموش ہی رہتے' پھر جب بولتے تو تمام کلام اخلاص' فضل اور حکمت ہی حکمت ہوتے' آپ کا کلام ہر قسم کے شبہات منور کر دیتا تاریکی کو دفع کرتا' مستحکم حجت قائم کر دیتا اور دل کے تمام برے دفینوں کو پھینک دیتا تھا' وہ اگر کلام کرتے تو اسی قسم کا ذکر کرتے تھے ورنہ نہیں' اپنی پوری زندگی میں ہمیشہ راسخ الاعتقاد' پختہ ارادے والے' بلند ہمت' نہایت

شریف، نیک، نیکوکار، متقی، فاضل اور آزاد انسان رہے، مخلصی میں نہایت سخت، لیکن حددرجہ نرم طبع، بردبار، خوش اخلاق، ہنستا ہوا چہرہ، غمخوار بلکہ کبھی کبھی لوگوں سے مزاح اور دل لگی بھی کرلیا کرتے تھے۔

سچی اور جھوٹی مسکراہٹ: عام طور پر آپ ﷺ کے چہرہ پر جو مسکراہٹ ہوتی وہ سچے دل سے پیدا ہوتی تھی، کیونکہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی مسکراہٹ اسی طرح جھوٹی ہوتی ہے جس طرح خود ان کے اعمال و احوال جھوٹے ہوتے ہیں، یہ لوگ حقیقی مسکراہٹ پیدا نہیں کرسکتے، محمد صلعم اچھے خوبصورت بانور چہرہ، حسن القامت اور خوشنما رنگ کے انسان تھے، دو سیاہ کالی آنکھیں چمکیلی، میں تو ان کی پیشانی کی وہ رگ بے حد محبوب رکھتا ہوں جو غصہ کی حالت میں پھول جاتی اور سیاہ ہوجاتی تھی، جیسے وہ ٹیڑھی رگ جس کا ذکر والٹر اسکاٹ کے قصہ میں آیا ہے، خاندان بنی ہاشم میں بالخصوص یہ رگ تھی، لیکن محمد صلعم میں زیادہ واضح اور ظاہر تھی، اس میں کچھ شک نہیں کہ محمد کچھ تیز طبع اور گرم مزاج تھے، لیکن ساتھ ہی عادل، سچی نیت والے نہایت ذکی اور ہوشیار تھے، اپنے پہلو میں ایک بہت بڑا دل رکھتے تھے جو نارونور سے بھرا ہوا تھا، وہ ایک ایسے انسان تھے جو عظمت کے انتہائی درجہ پر صرف اپنی فطرت سے پہنچے، نہ تو ان کو کسی مدرسہ اور نہ کسی استاد نے مہذب اور مودب بنایا، وہ ان تمام سے قطعاً بے نیاز تھے جس طرح ایک کانٹا تنقیح سے بے نیاز ہوتا ہے صحرا کی گہرائی میں اپنے کام کو تنہا اپنی زندگی میں انجام دیا۔

آپ ﷺ کی بہترین زندگی اور حضرت خدیجہؓ سے شادی: حضرت خدیجہؓ کے ساتھ آپ کو جو واقعہ پیش آیا وہ کس قدر لذیز اور کس قدر واضح ہے، کس طرح وہ پہلے حضرت خدیجہ کا مال تجارت لے کر شام کے بازاروں میں گئے اور کس طرح اس کو نہایت ہوشیاری اور امانت کے ساتھ انجام دیا اور کس طرح حضرت خدیجہؓ نے آپ کا بہت زیادہ شکریہ ادا کیا اور پھر کس طرح ان کی محبت بڑھنے لگی، جب آپ نے حضرت خدیجہؓ سے شادی کی اس وقت وہ چالیس کی تھیں اور آپ ﷺ پچیس سال سے زائد کے نہیں تھے، لیکن حسن و جمال کی نمکینی ہنوز خدیجہؓ میں باقی تھی، دونوں نے کامل اتفاق، الفت اور صفائی کے ساتھ زندگی بسر کی جن کو صرف محبت ہی پیدا کرسکتی ہے۔ جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ''محمد اپنی رسالت میں صادق نہیں تھے بلکہ وہ ایک جھوٹے اور ریاکار انسان تھے'' ان کے اس بیہودہ خیال اور لغو دعویٰ کو باطل کرنے کے لئے یہ کہہ دینا کافی ہے کہ محمد صلعم نے اپنی جوانی نہایت عیش و آرام کے ساتھ بسر کی لیکن اس زمانہ میں ان سے کوئی ایسی بات سننے میں نہیں آئی جس سے شہرت اور جاہ و سلطنت کی طلب معلوم ہو، چالیس سال کے بعد آسمانی پیغام آنے شروع ہوئے اور اسی تاریخ سے ان کے حوادث کی ابتدا ہوتی ہے۔ خواہ وہ حقیقی ہوں یا غیر حقیقی اور اسی تاریخ میں حضرت خدیجہؓ کا انتقال بھی ہوگیا اس وقت تک وہ سکون اور عیش و آرام کی زندگی بسر کرتے رہے، ان کے لئے وہ شہرت، وہ ذکر، پڑوسیوں کی وہ بہترین رائیں اور لوگوں کے وہ اچھے گمان، یہ تمام باتیں جو اس وقت تک حاصل ہوچکی تھیں بالکل کافی تھیں، لیکن جوں ہی جوانی رخصت ہوئی اور بڑھاپا آموجود ہوا دفعتہً آپ کے سینہ میں وہ آتش فشاں جوش مارنے لگا جس کا مقصود ملک و دولت نہیں بلکہ ایک امر جلیل اور شان عظیم حاصل کرنا تھا۔

محمد ﷺ دنیوی حرص سے پاک تھے: متعصب نصاریٰ اور ملحدوں کا خیال ہے کہ محمد صلعم اپنی ان تمام باتوں سے صرف اپنی شہرت شخصی اور رعب و طاقت کا فخر حاصل کرنا چاہتے تھے، قسم خدا کی ہرگز نہیں، یہ خیال قطعاً غلط ہے بلکہ اس بڑے انسان کے دل میں جو صحرا کا بیٹا اور عظیم النفس انسان تھا اور جس کا دل رحمت، بھلائی، شفقت، نیکی، حکمت اور عقل و فکر سے بھرا ہوا تھا، دنیاوی حرص و طمع کے علاوہ کوئی دوسری فکریں تھیں اور جاہ و دبدبہ کے علاوہ کوئی دوسرا

مقصود تھا۔

محمد ﷺ مخلص اور صاحب بصیرت انسان تھے، جھوٹے اصطلاحات پر راضی نہیں ہوتے تھے: اور فی الواقع راضی بھی کس طرح ہو سکتے تھے؟ ان کے اندر..... ایک بڑی خاموش روح تھی اور وہ ان لوگوں میں سے تھے جو اپنے اندر اخلاص کے علاوہ کوئی دوسری چیز پیدا ہی نہیں کر سکتے۔ جب تم دنیا میں اکثر لوگوں کو دیکھو گے کہ وہ جھوٹے اصطلاحات سے راضی ہوتے اور باطل اعتبارات کے مطابق چلتے ہیں، تو محمد ﷺ کو دیکھو گے کہ وہ جھوٹی باتوں سے قطعاً راضی نہیں ہوتے، بس صرف اشیاء کائنات کی حقیقتیں تھیں، وجود کا راز ان کی آنکھوں کے سامنے چمک رہا تھا اور اس جگہ کوئی ایسی باطل چیز نہیں تھی جو ان سے اس راز کو مخفی کر سکے، گویا یہ حیرت ناک راز خود زبان حال سے کہہ رہا تھا کہ ''میں یہاں ہوں'' اس قسم کا اخلاص مقدس خدائی راز سے خالی نہیں ہو سکتا۔ اس قسم کے انسانوں کے کلمے دراصل وہ آواز ہیں جو قلب طبیعت کی گہرائی سے نکلتے ہیں، جب یہ بڑا انسان بولتا ہے تو تمام کان اپنی مرضی کے خلاف اس کی طرف متوجہ ہو جاتے اور تمام قلوب اس کی باتوں کو محفوظ کر لیتے ہیں، ایسے کلام کے علاوہ جو کلام بھی ہوں سب لغو اور بیکار ہیں، بہت دنوں سے یعنی ان کی مسافرت کے ایام ہی سے محمد ﷺ کے دلوں میں ہزاروں ہزار افکار پیدا ہونے لگے، مثلاً میں کیا ہوں، یہ غیر متناہی اشیاء کیا ہیں جن کے اندر میں زندگی بسر کر رہا ہوں اور جس کو لوگ کون کہتے ہیں، یہ حیات کیا ہے اور یہ موت کیا ہے؟، میں کیا اعتقاد رکھوں اور کیا کروں؟، کیا ان تمام سوالوں کا جواب جبل حرا کی چٹانوں یا بڑے بڑے پہاڑوں کی چوٹیوں یا جنگل اور میدانوں نے دیا؟ ہرگز نہیں، نہ تو اس کا جواب گنبد گردوں نے دیا، نہ لیل ونہار کے اختلاف، نہ چمکنے والے ستاروں اور نہ برسنے والے بادلوں نے، بہر حال نہ اس نے جواب دیا اور نہ اس نے بلکہ اس کا جواب ان کو خود ان کی روح اور اس چیز کی طرف سے ملا جو اللہ نے ان میں ودیعت کر رکھی تھی۔

ہر انسان کے لئے پہلے یہی مناسب ہے کہ وہ اپنے نفس سے سوال کرے، اس صحرائی انسان نے محسوس کیا کہ یہی تمام چیزیں بڑے بڑے مسائل اور اہم امور ہیں اور ان کے مقابلہ میں دوسری تمام چیزیں کچھ بھی اہمیت نہیں رکھتیں، ان سوالوں کے جوابات کے لئے جب محمد صلعم جھگڑنے والے یونانی فرقوں، یہودیوں کی مبہم روایات اور وثنیت عرب کے فاسد نظاموں میں تحقیق وتفتیش کرتے تو قطعاً کچھ بھی نہیں پاتے تھے۔

مرد عظیم ظاہر سے باطن کو دیکھ لیتا ہے اور عادات و تقلید سے مقید نہیں ہوتا: میں پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ ایک ہیرو کی اہم خاصیت اور اسکی پہلی وآخری صفت یہ ہے کہ وہ ظاہر سے باطن کو دیکھ لیتا اور ہر قسم کی عادات، استعمالات، اعتبارات اور اصطلاحات کو پھینک دیتا ہے، خواہ یہ سب اچھی ہوں یا بری، اور اپنے دل میں کہتا ہے کہ یہ بت جس کو قوم پوجتی ہے ضرور اس کے عقب میں کوئی اہم راز ہے، جس کے لئے یہ بت پرستی دراصل ایک رمز ہے اور بت پرستی سے اسی طرف اشارہ ہے، ورنہ محض بت پرستی تو ایک باطل اور لغو چیز ہے اور بت لکڑی اور پتھر کا ایک ٹکڑا ہے جو نہ ضرر پہنچا سکتا ہے اور نہ نفع دے سکتا ہے، اس بڑے انسان اور بت پرستی کے درمیان کوئی تعلق ہو ہی نہیں سکتا، یہ بت اس جیسے انسانوں میں کبھی موثر نہیں ہو سکتے، اگر چہ وہ سونے سے نہیں بلکہ ستاروں ہی سے مرصع ومزین کیوں نہ کر دیئے جائیں، یہ بت بڑے انسانوں کو اپنی طرف مائل ہی نہیں کر سکتے اگر چہ اس کو عدنان کے بڑے بڑے لوگ پوجیں یا حمیر کے اقیال اس کی عبادت کریں، بڑے انسانوں کے لئے اس پرستش میں کوئی جذب اور رغبت نہیں اگر چہ تمام دنیا کے لوگ بت پرست ہو جائیں، بڑا انسان طبیعت کے سامنے کھڑا ہوتا ہے اور

حیرتناک حقیقت اس کی آنکھوں کے سامنے چمکتی نظر آتی ہے' پس یا تو وہ ان سوالات کے جوابات حاصل کر لے گا' یا نہیں تو اس کی کوشش بالکل برباد ہو جائے گی اور وہ نقصان پانے والوں میں سے ہوگا۔ پس محمد ﷺ نے بھی اس کا جواب تلاش کیا اور یقیناً اس میں کامیاب ہو گئے' کیا بے وقوف اور جھوٹے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دنیاوی طمع اور حرص ہی وہ چیز تھی جس نے محمد صلعم کو اس عظیم الشان کام کے لئے کھڑا کیا؟ خدا کی قسم ایسا سمجھنا تو سخت حماقت' بے وقوفی اور کم عقلی ہے' اس جیسے انسان کے لئے تمام ملک عرب میں' اور قیصر و کسریٰ کے عالی شان تاجوں میں بلکہ کرۂ زمین کے تمام بادشاہوں کے تاجوں میں کونسا فائدہ ہے؟' تاج' سلطنت اور ملک یہ سب کچھ زمانوں کے بعد کہاں چلے جاتے ہیں؟ کیا مکہ کی سرداری' چاندی سے منڈھی ہوئی چھڑی' کسریٰ کے ملک اور شاہان زمین کے تاجوں ہی میں ایک انسان کے لئے نجات اور کامیابی ہے؟ ہرگز نہیں' پس ہم لوگوں کو ان بے وقوفوں سے علیحدہ ہو جانا چاہئے جو کہتے ہیں کہ محمد ﷺ (معاذ اللہ) جھوٹے انسان تھے اور ان لوگوں کی موافقت کو شرم' سخافت اور حماقت سمجھنا چاہئے اور خود کو ان لوگوں سے اور ان کی احمقانہ باتوں سے بہت بلند رکھنا چاہئے۔

محمد ﷺ کی خلوت نشینی اور ماہ رمضان میں لوگوں سے علیحدگی: محمد ﷺ کی یہ عادت تھی کہ وہ رمضان کے مہینہ میں لوگوں سے علیحدہ ہو جاتے اور بالکل سکون و تنہائی میں زندگی بسر کرتے' یہ گوشہ نشینی کی عادت عام عربوں میں بھی تھی اور فی الواقع کس قدر عمدہ اور کتنی بہترین عادت ہے' خصوصاً محمد صلعم جیسے انسان کے لئے' آپ تنہائی میں بیٹھ کر اپنے ضمیر سے سرگوشیاں کرتے اور خاموش پہاڑوں میں خاموشی کے ساتھ بیٹھ کر اپنے سینہ کو عالم کی غامض اور مخفی آواز کے لئے کھول دیتے اس میں کوئی شک نہیں کہ فی الواقع یہ بہترین عادت تھی۔

بعثت کی ابتداء: جب محمد صلعم چالیس سال کے ہوئے اور مکہ کے قریب جبل حراء کے غار میں ماہ رمضان میں خلوت گزیں ہوئے تا کہ ان بڑے بڑے مسئلوں میں غور و فکر کریں' تو اتفاقاً ایک روز حضرت خدیجہؓ کے نزدیک آئے' اس سال بھر رسول اللہ صلعم انہیں کے ساتھ رہے تھے اور حضرت خدیجہؓ کو اپنی خلوت کے قریب ہی ٹھہرایا تھا' رسول اللہ صلعم نے ان کو کہا کہ آج اللہ کے فضل سے وہ غامض اور مخفی راز ظاہر ہو گیا اور وہ پوشیدہ امر بالکل صاف ہو گیا' اس نے تمام شبہات رفع کر دیئے' شک زائل ہو گیا اور پوشیدگی دور ہو گئی' یہ تمام اصنام بالکل بیکار اور لغو ہیں' حقیر پتھر کے سوا کچھ بھی نہیں اور سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں' وہی تنہا خدا ہے اس کا کوئی شریک نہیں' وہی حق ہے اور اس کے ماسوا تمام چیزیں باطل ہیں' اسی نے ہم لوگوں کو پیدا کیا' وہی سب کو روزی دیتا ہے' ہم اور تمام مخلوق اور ساری کائنات اس کے ظل اور پردے ہیں' جو نور ابدی اور رونق سرمدی کو اپنے اندر چھپائے ہوئے ہیں' اللہ اکبر وللہ الحمد۔

حقیقت اسلام اور اس کے متعلق گوئٹے کا خیال: اسلام یہ ہے کہ ہم تمام حکومتیں صرف اللہ کو سونپ دیں صرف اسی پر اعتقاد رکھیں' اسی سے سکون و اطمینان حاصل کریں اور صرف اسی پر بھروسہ رکھیں' تمام قوتیں اسی کے حکم اور اسی کی حکمت کے ماتحت ہیں اور اسی کی قسمت پر راضی' خواہ وہ دنیا اور آخرت کی جون سی بھی قوتیں ہوں' جو کچھ اللہ ہمیں دیتا ہے اگرچہ وہ موت ہی کیوں نہ ہو' ہم کو اس کا استقبال ہنستے ہوئے چہرہ اور راضی نفس کے ساتھ کرنا چاہئے' ہم جانتے ہیں کہ اللہ خیر ہے اور اس کے سوا کوئی خیر نہیں۔

ہم سب مسلمان ہیں: جرمنی کا سب سے بڑا شاعر گوئٹے اسلام کے متعلق کہتا ہے کہ ''اگر اسلام وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا تو پھر ہم سب مسلمان ہیں بلاشبہ ہر وہ شخص جو فاضل اور شریف الخلق ہو وہ مسلم ہے' کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے کہ محض ضرورت کی بناء پر کسی

چیز کا اذعان اور اعتقاد منتہائے عقل وحکمت نہیں' کیونکہ ضرورت تو انسان کو اس کی مرضی کے خلاف بھی تسلیم کر لینے پر مجبور کرتی ہے' اگر انسان کسی چیز کو جبراً کرے تو اس میں کوئی فضیلت نہیں بلکہ انسانی فضیلت تو اس یقین میں ہے کہ رنجدہ ضرورت بھی انسان کے لئے سب سے بہترین چیز ہے اور انسان جس چیز کو حاصل کرتا ہے اس میں سب سے افضل ہے' نیز یہ کہ تکالیف ومصائب میں بھی اللہ کی کوئی حکمت ہے جو انسانی سمجھ سے بالاتر اور انسانی اذہان سے زیادہ دقیق ہے اور اس مخفی عالم اور اس کے حالات کے لئے اپنے ضعیف انسانی دماغ سے کوئی میزان بنانا سخت حماقت اور جہالت ہے' بلکہ انسان کے لئے یہ اعتقاد رکھنا ضروری ہے کہ عالم میں ایک عادلانہ قانون ہے' اگرچہ وہ اسکے دائرہ ادراک سے باہر ہی ہو اور عالم کی اساس خیر' وجود کی روح صلاح' اور زندگی کا مغز نفع ہے' انسان کے لئے ان تمام باتوں کا اعتراف واعتقاد ضروری ہے اور انتہائی سکوت وتقویٰ کے ساتھ ان کی اتباع کرنی چاہئے۔

میں کہتا ہوں یہ اعلیٰ اوصاف اور یہ اشرف واطہر خیالات ہمیشہ دنیا میں رہیں گے' ایک انسان ہمیشہ یا تو کبھی مصیبت میں رہے گا' یا کبھی کامیابی میں' ایک شخص آزاد' کریم' سیدھے اور باسعادت راستہ پر چلنے والا اسی وقت ہوگا جبکہ وہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے' قانون طبیعت کے مطابق گامزن ہو' قوانین سطحی' ظواہر وقتی اور رنج وخسارہ کے حسابات کی پرواہ نہ کرے' بس ایک انسان اسی وقت کامیاب ہوگا جبکہ وہ اس بڑے جوہری قانون کی اتباع کرے جو کہ عالم کی چکی کا قطب اور زمانہ کی گردش کا محور ہے' اگر اس کے خلاف کرے گا تو وہ کبھی بھی کامیاب نہیں ہوسکتا' فی الحقیقت وہ پہلا ذریعہ جو ہم کو اس اہم قانون کی اتباع تک پہنچا سکتا ہے وہ اس قانون کے وجود کا اعتقاد ہے پھر یہ کہ یہ قانون صالح ہے' بلکہ اس کے سوا کوئی چیز صالح نہیں۔ دوستو! یہی روح اسلام ہے۔ اسلام ہم کو حکم دیتا ہے کہ ہم ہر چیز کے قبل اللہ پر بھروسہ رکھیں' نفس کو ہر قسم کی شہوات سے بچائیں' قلب کو خواہشات سے روکیں' اپنی آرزوؤں اور تمناؤں کی رو میں نہ بہیں' ہر قسم کی تکلیف اور مصیبت پر صبر کریں اور یہ اعتراف کریں کہ ہم کچھ نہیں جانتے ہیں۔ اللہ کی تمام تقسیموں اور تقدیروں پر راضی رہیں اور اسی کو ید بیضا اور نعمت غرا سمجھیں اور ہم ہر حالت میں الحمدللہ اور تبارک اللہ ذوالفضل والجلال کہیں اور ہمیشہ اعتراف کریں کہ اے اللہ ہم تیری قسمت پر راضی ہیں اگرچہ وہ قسمت موت ہی کیوں نہ ہو۔

وحی اور جبرئیل: اسلام کے فضائل میں سے ایک اپنے نفس کو اللہ کے راستہ میں قربان کرنا بھی ہے' یہ ان تمام فضیلتوں میں سب سے زیادہ اشرف ہے جو آسمان سے زمین کے انبیاء کرامؑ پر نازل ہوئی ہیں۔ بے شک یہ اللہ کا ایک نور ہے جو اس بڑے انسان کی روح میں چمکا' جس نے تمام ظلمتوں کو منور کر دیا' یہ حد سے زیادہ چمکیلی روشنی ہے جس نے ان سب ظلمتوں کو دفع کر دیا جو خسران اور ہلاکت تک پہنچاتی تھیں۔ محمد ﷺ نے اس نور کا نام وحی اور جبرئیل رکھا' ہم میں سے کس کے اندر یہ طاقت ہے کہ اس کے لئے کوئی نام وضع کرے' کیا انجیل میں مذکور نہیں کہ اللہ کی وحی ہم انسانوں کو فہم وادراک عنایت کرتی ہے؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ خود علم اور حقیقتِ امور' اور جواہر اشیاء تک رسائی بھی غامض رازوں میں سے اہم راز ہیں' منطقی لوگ بھی پوست کے سوا اصل حقیقت تک نہ پہنچ سکے۔ نوفالیس کہتا ہے ''کیا خود ایمان ایک زبردست معجزہ نہیں' جو اللہ کی ہستی پر زبردست دلیل ہے؟'' پس جب محمد صلعم کی روح اس واضح وظاہر حقیقت کے شعلہ سے مشتعل ہوگئی' تو ان کا یہ شعور کہ حقیقت مذکورہ ان تمام چیزوں میں سب سے زیادہ اہم ہے جن کا علم انسان کے لئے ضروری ہے ایک بدیہی شے کے علاوہ کوئی دوسری چیز نہ تھی۔

محمد رسول اللہ ﷺ کا معنی: محمد صلعم پر اللہ تعالیٰ کا یہ انعام کہ

اس نے ان کے لئے حقیقت کو کھول دیا اور ہلاکت وظلمت سے نجات دی اور ان کا اس حقیقت کو تمام عالم کے نزدیک ظاہر کرنے کے لئے مضطر ہونا بس یہی تمام چیزیں محمد رسول اللہ کا معنی ہیں' بس یہی روشن سچائی اور حق مبین ہے۔

حضرت خدیجہ' حضرت علی اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت: میرے خیال میں تو یہ بات آتی ہے کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان کی طرف پہلے کچھ دہشت اور شک کے ساتھ توجہ کیا پھر ایمان لائیں اور یہ کہا قسم خدا کی جو کچھ آپ فرماتے ہیں بالکل حق ہے' نیز میرے تخیل میں یہ بات آتی ہے کہ محمد صلعم نے ان کے اس ایمان پر ان کا شکریہ ادا کیا اور ان کے آتش فشاں سینہ سے نکلے ہوئے کلمات پر حضرت خدیجہؓ کے ایمان لانے میں آپ نے ایک ایسا حسن معائنہ کیا جو ماقبل کی تمام چیزوں سے فائق تھا کیونکہ انسان کی روح کے لئے سب سے زیادہ آرام دہ اور اس کے دل کو سب سے زیادہ ٹھنڈک پہنچانے والی چیز یہ ہے کہ وہ اپنے اعتقاد میں کوئی شریک حاصل کرلے چنانچہ نوفالیس کہتا ہے ''میں نے اپنے یقین کو زیادہ مضبوط اور اپنے اعتقاد کو زیادہ مستحکم کرنے والی چیز یہی دیکھی کہ کوئی دوسرا انسان میری رائے کے ساتھ مل جائے' بلاشبہ کسی ہم اعتقاد دوست کا ملنا بہت ہی اہم اور نعمت غیر مترقبہ ہے اسی وجہ سے محمد صلعم اپنی وفات تک حضرت خدیجہؓ کا ذکر فرماتے رہے' یہاں تک کہ حضرت عائشہؓ آپ کی سب سے چھوٹی پیاری بیوی جو تمام مناقب اور فضائل میں مسلمانوں کے درمیان بہت مشہور ہیں اور جو نہایت خوبصورت اور ذہین تھیں نے ایک مرتبہ رسول اللہ صلعم سے پوچھا ''کیا میں خدیجہ سے زیادہ بہتر نہیں ہوں؟ وہ ایک سن رسیدہ بیوہ عورت تھیں جن کا حسن و جمال ختم ہو چکا تھا اور میں تو دیکھتی ہوں کہ آپ جس قدر ان سے محبت رکھتے تھے اس سے زیادہ مجھ سے محبت رکھتے ہیں'' آپ نے جواب دیا ہرگز نہیں واللہ تم ان سے زیادہ افضل نہیں ہو' تم ان سے کس طرح بڑھ سکتی ہو' وہ سب سے پہلی انسان تھیں جو مجھ پر ایمان لائیں حالانکہ اس وقت تمام لوگ کافر اور منکر تھے اس وقت میرے لئے اس دنیا میں صرف ایک ہی دوست تھا اور وہ خدیجہؓ تھیں'' پھر ان کے بعد آپ کے غلام زیدؓ بن حارثہ اور حضرت علیؓ ایمان لائے' خلاصہ یہ کہ یہی وہ تینوں ہستیاں ہیں جو سب سے پہلے ان پر ایمان لائیں۔

دعوت اسلام اور جو کچھ محمد صلعم نے اس کے متعلق کہا: پھر آپ اپنا پیغام مختلف لوگوں کو سنانے لگے' لیکن سوائے جمود اور تمسخر کے کوئی نتیجہ نہیں نکلا' یہاں تک کہ تین سال کی مدت میں صرف تیرہ آدمی ایمان لائے' نہایت ہی مایوس کن حالت تھی لیکن وہ ان تمام حالات میں منتظر رہے' تین سال کے بعد انہوں نے اپنے چالیس رشتہ داروں کی دعوت کی' جب سب لوگ دعوت سے فارغ ہو چکے تو آپؐ ان میں خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے' آپؐ نے اس خطبہ میں اپنی دعوت کا ذکر کیا اور بتایا کہ میں اس کو عالم کے تمام اطراف واکناف میں پھیلانا چاہتا ہوں' میری یہ دعوت ایک بہت بڑا مسئلہ ہے بلکہ مسئلہ وحیدہ ہے لہٰذا تم لوگوں میں سے کون میری مدد کرنا چاہتا ہے؟۔

حضرت علیؓ کی مروت اور بہادری: اس عظیم الشان خطبہ کو سن کر لوگ ابھی حیرت اور استعجاب ہی کی حالت میں تھے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ مجمع میں کھڑے ہو گئے اس وقت ان کی عمر سولہ سال کی تھی' جماعت کی خاموشی نے ان کو غضبناک کر دیا' نہایت تیز لہجہ میں چیخ کر بولے میں آپ کا دوست اور مددگار ہوں' حاضرین سب کے سب رسول اللہ صلعم کے دشمن ومخالف تھے اور ساتھ ہی سب آپؐ کے رشتہ دار بھی تھے' اس مجمع میں آپ کے چچا ابوطالب بھی موجود تھے جو حضرت علیؓ کے والد ہیں' ایک چالیس سال سے متجاوز انسان اور ایک سولہ سال کا بچہ یہ دونوں تمام عالم کے مقابلے کے لئے

کھڑے ہوئے تھے' یہ منظر حد درجہ تعجب خیز تھا' چنانچہ تمام حاضرین ہنسنے لگے' لیکن فی الواقع یہ منظر قابل ضحک اور قابل تعجب نہ تھا بلکہ بے حد اہم اور قابل غور تھا۔ حضرت علیؓ کے متعلق تو میں اس سے زیادہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے ان سے بے حد محبت اور عشق ہو گیا ہے کیونکہ وہ ایک شریف القدر اور کبیر النفس نوجوان تھے' ان کا وجدان رحمت و نیکی اور قلب ہمت و شجاعت سے بھرا ہوا تھا' وہ شیر سے بھی زیادہ بہادر اور شجیع تھے' لیکن ساتھ ہی ان کی شجاعت' رقت و لطف سے بھی مخلوط تھی' جن کے ساتھ قرون وسطیٰ کے صلیبی بہادر زیادہ مناسب تھے' حضرت علیؓ کوفہ میں دھوکے سے قتل کر دیئے گئے' اس قتل کو انہوں نے اپنے اوپر اپنی شدتِ عدل کی وجہ سے حاصل کیا تھا کیونکہ وہ ہر انسان کو اپنے ہی جیسا عادل سمجھتے تھے' جس وقت موت سے کچھ پہلے قاتل کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا ''اگر میں زندہ رہا تو پھر یہ چیز میری ہے اور اگر مر گیا تو پھر تمہارے حوالے ہے' اس کے بعد اگر تم لوگوں نے قصاص ہی پسند کیا تو پھر ضرب کے مقابلہ میں ضرب ہی ہونا چاہئے اور اگر تم معاف کر دو گے تو یہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہوگا۔

رسول اللہ صلعم کے کام سے قریش کا رنجیدہ ہونا: محمد ﷺ کا یہ کام قبیلۂ قریش کے لئے زیادہ رنج و غم کا باعث تھا جو کعبہ کے محافظ اور بتوں کے خادم تھے' اور ساتھ ہی آپ کے ساتھ دو یا تین صاحب اثر لوگ بھی مل گئے' آپ کا کام سستی کے ساتھ چلتا رہا لیکن بہر حال سریان تو ضرور تھا' ایک دم موقوف نہیں ہوا' اور اس وقت آپ کا یہ تبلیغی کام بالطبع ہر انسان کے نزدیک مکروہ تھا وہ لوگ کہتے تھے کہ یہ کہاں کا اتنا بڑا شخص ہے جو کہتا ہے کہ ہم سب سے زیادہ عقلمند ہے اور ہم لوگوں کو پتھر پوجنے کی وجہ سے احمق اور بے وقوف کہتا ہے۔

ابوطالب کی نصیحت اور محمد صلعم کی عزیمت: ابوطالب نے مشورہ دیا کہ تم اپنے کام کو چھپاؤ اور تنہا اس پر ایمان رکھو' قوم کو رنجیدہ نہ کرو' ان کے غصہ کو نہ بھڑکاؤ' ورنہ تمہاری زندگی خطرہ میں پڑ جائے گی' محمد صلعم نے جواب دیا ''قسم خدا کی اگر سورج میرے دائیں ہاتھ میں اور چاند بائیں ہاتھ میں رکھ دیں تا کہ میں اس کام کو چھوڑ دوں تو میں اس وقت تک نہیں چھوڑ سکتا جب تک کہ اللہ اس دین کو غالب نہ کر دے یا میں خود نہ مر جاؤں''۔ یقیناً محمد صلعم کبھی بھی اس اہم کام سے دستبردار نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ جس حقیقت کو انہوں نے بیان کیا وہ عین طبیعت میں سے ایک اہم چیز تھی' نہ تو اس سے بڑھ کر سورج ہو سکتا تھا نہ چاند اور نہ مصنوعات طبیعی میں سے کوئی مصنوع' ایسی اعلیٰ حقیقت کو سورج اور چاند کے خلاف' تمام قریش کی مرضیوں کے خلاف بلکہ تمام خلائق اور کائنات کی طبیعت کے خلاف بھی ضرور ظاہر ہونا چاہئے تھا' بلاشبہ ضرور ظاہر ہونا تھا' اس کے ظاہر ہونے کے بغیر کوئی چارہ ہی نہ تھا' محمد صلعم نے اس طرح سے کامل یقین کے ساتھ جواب دیا' کہا جاتا ہے کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا گئی تھیں' اپنے چچا سے نیکی اور شفقت کو محسوس کیا اور ادھر حالت کی سختی کو بھی ادراک کیا' آپ کو معلوم ہو گیا کہ کام کچھ آسان نہیں بلکہ حد درجہ خطرناک اور مشکل ہے۔

تبلیغی دعوت اور مصائب: بہر حال آپ اپنی دعوت اور پیغام کو ہر سننے والے تک پہنچاتے رہے' مکہ میں قیام کے وقت تک حاجیوں میں اپنے مذہب کی اشاعت کی' مختلف جگہوں سے متبعین کچھ نہ کچھ مائل ہوتے رہے' لیکن اس درمیان میں آپ دشمنی' عداوت اور ہر قسم کے بغض و حسد سے ملاقی ہوتے رہے' قرابت دار آپ کی حمایت اور دشمنوں کی مدافعت کرتے تھے' لیکن آخر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے متبعین حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کے لئے تیار ہوئے اس عزم کی خبر قریشیوں کو مل گئی' ان لوگوں نے اس کو بہت ہی برا سمجھا اور عداوت مکرر ہو گئی چنانچہ قریشیوں نے آپ کے راستہ

میں جال پھیلا دیا اور مختلف حیلے کرنے لگے' اور سبھوں نے قسم کھائی کہ ہم محمدؐ کو اپنے ہاتھوں سے قتل کریں گے' اس وقت تک حضرت خدیجہ اور ابوطالب کا انتقال ہو چکا تھا' ہم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ محمد صلعم اپنی اس خطرناک حالت پر ہمارے مرثیہ کے محتاج نہیں لیکن اتنی بات ضروری ہے کہ وہ اس وقت ایسی شدت اور بلاؤں میں مبتلا تھے کہ اس کے قبل کسی انسان نے بھی ان کو نہ دیکھا ہوگا۔ پہاڑ کے غاروں میں چھپتے تھے اور اس مکان سے اس مکان میں بھاگتے پھرتے تھے' کہیں پناہ کی جگہ نہ تھی اور نہ کوئی مددگار تھا' ہلاکت اور موت دھمکیاں دے رہی تھی' بعض وقت تو یہ حالت ہو جاتی کہ ہلاکت صرف ایک چھوٹی سی چیز پر موقوف ہوتی' مثلاً کسی متبعین محمد صلعم کے گھوڑوں میں سے صرف ایک گھوڑے کے بھاگنے پر' اگر یہ چیز واقع ہو جاتی تو یقیناً تمام امیدیں برباد ہو جاتیں' لیکن محمد صلعم کا یہ عظیم الشان کام اس قسم کی حالت پر ختم نہیں ہوسکتا تھا۔

محمد ﷺ کو قتل کرنے کے لئے قریش کا حملہ اور مدینہ کی طرف ہجرت: جب آپ ﷺ کی رسالت کا تیرھواں سال ہوا اور دشمنوں کو دیکھا کہ قتل کی فکر میں لگے ہوئے ہیں' جن کی تعداد چالیس تھی' ہر ہر قبیلہ سے ایک ایک شخص منتخب کیا گیا تھا' ان لوگوں نے آپ کو قتل کر دینے کے لئے باہم مشورہ کر لیا' تب رسول اللہ صلعم نے مکہ کو ایک نامناسب جگہ خیال کیا اور یثرب کی طرف ہجرت کر گئے' جہاں انصار آپ کے دوست بن گئے تھے' اسی شہر یثرب کا نام آج مدینہ ہے یعنی نبی کا شہر' یہ شہر مکہ سے دوسو میل کے فاصلہ پر واقع ہے' پہاڑیوں اور چٹانوں کے درمیان آباد ہے' مشرق میں اسی ہجرت سے تاریخ کی ابتدا ہوتی ہے' ہجرت کا پہلا سال ۶۲۲ء کے مطابق ہوتا ہے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک ۵۵ سال تھی' اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اب بوڑھے ہو چکے تھے اور آپ کے اصحابؓ بھی یکے بعد دیگرے دنیا سے رخصت ہوتے جا رہے تھے' جس کے باعث راستہ اور بھی زیادہ مشکل ہوتا جا رہا تھا' اب اگر اس وقت آپؐ خود اپنی ذات کے اندر شجاعت اور حرکت پیدا نہ کرتے اور آپؐ کے عزم سے امید کے چشمے نہ بہتے تو پھر ان مصائب کے درمیان جو آپ کو احاطہ کئے ہوئے تھے امید کی روشنی کو دیکھنا ناممکن ہو جاتا جیسا کہ اکثر قسم کی حالتوں میں ہر انسان کی یہی شان ہوتی ہے۔

ان لوگوں کی تردید جو کہتے ہیں کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا: اب تک رسول اللہ ﷺ کی نیت یہی تھی کہ وہ اپنے دین کو حکمت اور موعظتِ حسنہ سے پھیلائیں' پھر جب دیکھا کہ ظالم لوگ محض آسمانی رسالت کے چھوڑ دینے پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ مجھے بھی خاموش کر دینا چاہتے ہیں تاکہ رسالت کی آواز ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے تب پیغمبرِ صحراؐ نے اپنی طرف سے مدافعت کا عزم وارادہ کر لیا' ایک مردانہ اور عربی مدافعت' گویا زبانِ حال سے یوں فرماتے تھے کہ اگر قریش کسی چیز سے راضی نہیں صرف جنگ ہی سے راضی ہوسکتے ہیں تو پھر ہمیں میداں ہمیں چوگاں ہمیں گوئے' دیکھ لیں کہ میں بھی کیسا بہادر انسان ہوں فی الواقع رسول اللہ ﷺ نے بالکل سچ فرمایا' کیونکہ ان کی قوم کلمہ حق اور سچی شریعت کے سننے سے اپنے کان بند کر چکی تھی' وہ لوگ اسی خطرناک گمراہی میں باقی رہنا چاہتے تھے' محرمات کو مباح سمجھتے' لوٹ مار کرتے' بے گناہ انسانوں کے قتل سے دریغ نہ کرتے' ہر قسم کے گناہ اور فسق وفجور کو بالکل صحیح اور درست سمجھتے تھے' آپ ان کے پاس نرمی اور بردباری کے راستہ سے آئے' لیکن ان لوگوں نے سرکشی اور طغیانی ہی کو پسند کیا' پھر نتیجہ صاف ہے کہ حالات کو تیز تلوار' مضبوط نیزوں اور تیز رفتار گھوڑوں کے تحت ہی ہونا چاہئے تھا چنانچہ رسول اللہ صلعم نے اپنی باقی عمر تک کے لئے یہی فیصلہ کیا' یعنی بعد کے گیارہ سال صرف جنگ وجہاد میں گذرے' ایک پل بھی آرام سے

نہیں بیٹھے اور نتیجہ وہی ہوا جو ہم سب کو معلوم ہے۔

لوگوں نے تلوار کے ذریعہ دین اسلام کے پھیلنے پر بہت کچھ قیاس آرائیاں کی ہیں اور جن لوگوں نے اس چیز کو محمد صلعم کے کاذب ہونے پر بطور دلیل پیش کیا ہے انہوں نے تو سخت غلطی اور ٹھوکر کھائی ہے اور درحقیقت محمد صلعم پر بہت بڑا ظلم کیا ہے' یہ لوگ کہتے ہیں اگر تلوار نہ ہوتی تو دین اسلام قطعاً نہیں پھیلتا' مگر سوال یہ ہے کہ وہ کیا چیز ہے جس نے تلوار کو پیدا کیا' وہ اسی دین کی قوت اور اسی دین کی حقانیت ہے' کوئی جدید خیال پہلے ایک شخص کے دماغ میں پیدا ہوتا ہے اور اس کا معتقد وہی فرد واحد ہوتا ہے' فرد تمام مجموعہ عالم کا ضد ہے' پس جب یہ فرد تلوار اٹھاتا اور دنیا کے مقابلہ میں کھڑا ہوتا ہے' تو واللہ بہت کم شکست کھاتا ہے' میرا خیال تو یہ ہے کہ حق خود ہی حالت کے موقعہ و مناسبت کے مطابق اپنے کو پھیلاتا ہے خواہ کسی طریقہ سے بھی ہو' نصرانیت نے بھی اسی طرح تلوار اٹھانے کو کبھی برا اور مکروہ نہیں سمجھا' بطور مثال وہ کافی ہے جو شارلماں نے قبائل سکسن کے ساتھ کیا تھا' میرے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں کہ حق کا انتشار خواہ تلوار سے ہو یا زبان سے یا کسی دوسرے آلہ اور ذریعہ سے بہرحال انتشار حق ہونا چاہئے۔

ایک صحیح ہی صحیح ہوسکتا ہے: ایک حقیقت اپنی طاقت کو خطابت یا صحافت یا آگ کے ذریعہ پھیلاتی اور اپنے ہاتھوں' پاؤں اور ناخنوں کے ذریعہ جدوجہد کرتی ہے کیونکہ ایک صحیح حقیقت اسی چیز کو شکست دے سکتی ہے جو مستحق شکست ہو' اس کے اندر یہ طاقت نہیں کہ وہ اپنے سے بہتر کو بھی فنا کر دے' بلکہ اسی چیز کو فنا کر سکتی ہے جو غلط ہو اور صحیح نہ ہو کیونکہ یہ ایک ایسی جنگ ہے جس میں صرف طبیعت اور فطرت ہی کا حکم نافذ ہوتا ہے' جو حکم عادلانہ' باانصاف اور قلب میں موثر ہو وہ کس قدر عمدہ حکم ہوتا ہے! یہی وہ حقیقت ہے جو جنگ و جدال اور چیخ و پکار کے بعد تنہا بڑھتی اور پھیلتی ہے۔

طبیعت کا انصاف: میں کہتا ہوں کہ فطرت اپنے حکم میں بہترین عادل ہے'..... نہ صرف عادل بلکہ عادل' عاقل' راحم اور حلیم بھی ہے' تم گیہوں زمین میں ڈالنے کے لئے لیتے ہو' اور یہ بھوسی' پوست اور مٹی اور دوسری گندگیوں سے مخلوط ہوتا ہے' لیکن تم کو اس کی پرواہ نہیں ہوتی' پھر گندگی سے بھرے ہوئے اسی گیہوں کو تم زمین کے اندر ڈال دیتے ہو جو نہایت ہی عادل اور شفیق ہے' کیونکہ یہ زمین تم کو صرف خالص اور پاک و صاف گیہوں ہی دیتی ہے اور گندگیوں کو خود نگل جاتی اور دفن کر دیتی ہے تم ان گندگیوں سے متعلق ایک لفظ بھی ذکر نہیں کرتے' آخر کچھ دنوں کے بعد تم نہایت صاف اور پاکیزہ گیہوں حاصل کر لیتے ہو گویا خالص سونے سے ڈھلا ہوا دانہ ہے اور کثافتوں کو مہربان اور شفیق زمین خود ہضم کر لیتی ہے بلکہ ان کثافتوں کو اشیاء نافعہ کی شکل میں بدل دیتی ہے تم ان کے متعلق زمین سے کچھ بھی شکایت نہیں کرتے' یہی حال طبیعت اور فطرت کا بھی ہے' فطرت مجسم حق ہے باطل نہیں' وہ عادل' رحیم اور شفیق ہے' وہ چیزوں کے لئے صرف یہ شرطیں متعین کرتی ہے کہ مغز اور بیج درست ہوں بس اگر کوئی ایسی چیز ہے تو طبیعت اس کی حفاظت و حمایت کرتی ہے۔ اور اگر اس کے خلاف ہے تو پھر اسکی حمایت و حفاظت سے انکار کرتی اور دستبردار ہو جاتی ہے' اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ طبیعت ہر شے کی روح حق کی حفاظت کرتی ہے' کیا یہی حال گیہوں اور طبیعت کا نہیں ہے؟ بس یقین کرو کہ ہر حقیقت کبریٰ کا یہی حال ہے خواہ وہ دنیا میں آ چکی ہو یا بعد میں آئے گی' یعنی حقیقت' حق و باطل سے مخلوط ہوتی ہے' ہمارے پاس حقائق قضایائے منطقیہ اور کائنات کے علمی نظریوں کے لباس میں جلوہ گر ہوتے ہیں' لیکن قطعاً ناممکن ہے کہ وہ سب صحیح اور درست ہی ہوں' پھر ایک دن ایسا آئے گا جس میں اس کا نقص اور غلطیاں ضرور ظاہر ہو کے رہیں گی' اس طرح سے ہر حقیقت کا جسم مر جاتا اور فنا ہو جاتا ہے' لیکن روح ہمیشہ باقی رہتی

ہے اور پھر اپنے ظاہر ہونے کے لئے کوئی دوسرا پاک لباس اور اشرف بدن حاصل کر لیتی ہے' اسی طرح یہ روح ہمیشہ ایک اچھے کپڑے اور بدن سے نکل کر دوسرے اعلیٰ اور عمدہ کپڑے اور بدن میں منتقل ہوتی رہتی ہے' یہی فطرت کا قانون ہے جس میں تغیر وتبدل کی گنجائش نہیں' ہاں بلاشبہ جوہرِ حقیقت زندہ رہتا ہے فنا نہیں ہوتا' البتہ نقطہ مہم اور امر وحید جو طبیعت کو عارض ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ کیا یہ روح حق ہے؟ اور کیا اعماقِ طبیعت کی آواز ہے؟ طبیعت کے نزدیک وہ چیز جس کو ہم نقاء اور عدم نقاء کہتے ہیں کچھ زیادہ مہم نہیں اور نہ یہ انتہائی سوال ہے' اسی طرح جب تم اپنی ذات کو کسی حکم کے لئے پیش کرو تو طبیعت کے نزدیک یہ اہم نہیں کہ تمہارے اندر گندگی ہے یا نہیں' بلکہ اہم یہ ہے کہ کیا تمہارے اندر جوہرِ حق اور روحِ صدق ہے یا نہیں یا تشبیہی عبارت میں یوں سمجھو کہ طبیعت کے نزدیک یہ سوال کچھ بھی اہمیت نہیں رکھتا کہ تمہارے اندر پوست ہے یا نہیں بلکہ اصل سوال یہ ہے کہ کیا تمہارے اندر مغز ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ طبیعت پاک وصاف ہے' میں کہتا ہوں کہ ہاں وہ یقیناً پاک وصاف ہے' البتہ تم پوست ہو اور باطل' جھوٹے' مکار' بے روح اور محض اصطلاح وعادت ہو تمہارے اور رازِ کون اور قلبِ وجود کے درمیان کوئی تعلق اور کوئی صلہ نہیں' واقعہ تو یہ ہے کہ نہ تم پاک ہو اور نہ ناپاک بلکہ تم لاشے ہو طبیعت تم کو پہچانتی بھی نہیں اور وہ تم سے بالکل بری اور علیحدہ ہے۔

گذشتہ دور میں اسلام اور نصرانیت: ہم نے تو اسلام کو نصرانیت کی ایک قسم سمجھا اور اس کا نام اسلام رکھا ہے' اگر ہم اس بات پر نظر رکھیں کہ اسلام کس طرح قلب میں جلد اثر کرتا اور کس قدر سختی کے ساتھ نفوس میں موثر ہوتا اور کتنا جلد خون کے ساتھ رگوں میں مخلوط ہو جاتا ہے' تو یقین کرنا پڑے گا کہ اسلام اس نصرانیت سے بہت بہتر ہے جو اس وقت شام' یونان اور تمام اقطار و بلدان میں پھیلی ہوئی تھی' وہ نصرانیت جو اپنے جھوٹے شور وغل سے دردسر پیدا کرتی اور قلب کو ایک مردہ چٹیل میدان بنا دیتی تھی' اگرچہ اس میں کچھ حق کا عنصر تھا لیکن بالکل ہی دھندلا اور صرف اسی دھندلے حق کی برکت سے لوگ اس پر ایمان لاتے تھے' حقیقت تو یہ ہے کہ وہ نصرانیت دراصل نصرانیت کی ایک چھوٹی قسم تھی' لیکن خود نصرانیت بہرحال ایک زندہ چیز ہے' محض بیکار اور جھوٹے قضایا نہیں ہیں۔

عربوں کی بت پرستی اور ان کے لغو عقائد کا خاتمہ: محمد ﷺ نے عرب کے جھوٹے بتوں' یونان و یہود کے مذاہب' ان کی روایات' ان کے براہین اور مزعومات و قضایا کو دیکھا' ایک صحرائی انسان کی طرح سچے دل اور حقیقت تک پہنچ جانے والی نظروں سے دیکھا' پھر اپنے دل میں کہا' یہ بت پرستی بالکل ہی باطل شے ہے اور یہ بت جن کو تم تیلوں اور روغنوں سے مصقل کرتے ہو تا کہ ان پر مکھیاں آ کر بیٹھیں' محض پتھر ہیں جو نہ ضرر پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع' یہ بت پرستی حد درجہ مکروہ اور بے انتہا بری اور کفر ہے' حق یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہی تنہا معبود ہے جس کا کوئی شریک نہیں' اسی نے تم کو پیدا کیا' اسی کے ہاتھ میں تمہاری موت وحیات ہے' وہ تم پر خود تم سے بھی زیادہ مہربان ہے' اگر تم سمجھ دار ہو تو یقین کرو کہ جو کچھ مصیبت تم کو پہنچتی ہے وہ یقیناً تمہارے لئے بہت بہتر ہے۔

بلاشبہ وہ دین جس پر یہ بت پرست عرب ایمان لائے' اور اپنے ناری قلوب میں اس کو مضبوطی کے ساتھ جگہ دی' یقیناً اس لائق ہے کہ اس کو حق تسلیم کیا جائے اور اسکی تصدیق کی جائے اور جو قواعد اس دین نے ان کو سکھلائے وہی تو وہ شے وحید ہے جس پر انسان کو ایمان لانا چاہئے' یہی چیز جمیع ادیان کی روح ہے' ایسی روح جو مختلف کپڑے اور متعدد لباس میں جلوہ گر ہوئی ہے' حالانکہ فی الواقع وہ ایک ہی شے ہے' اسی روح کی اتباع کرنے سے انسان اس بڑے معبد یعنی تمام عالم کا امام بن سکتا ہے جو اپنے خالق کے قواعد پر جاری

اور اس کے قوانین کے تابع ہیں' کسی حال میں بھی ان قوانین کا خلاف نہیں کر سکتے' واجب کی تعریف اس سے بہتر میں نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ دنیا کے منہاج پر ہی چلنے میں ہر قسم کی بھلائی ہے کیونکہ فلاح اسی میں ہے' بشرطیکہ یہ منہاج دنیا طریق فلاح بھی ہو ورنہ نہیں۔

محمد صلعم تشریف لائے' ان کو دیکھتے ہی عیسائی جماعتوں نے مجادلہ و مباحثہ کا بازار گرم کر دیا' مگر اس سے کیا فائدہ اور کیا نتیجہ نکلا' ترتیب قضایائے منطقیہ کی صحت اور ان کا حسن انتاج کچھ اہمیت نہیں رکھتا' بلکہ اہم یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ خالق ہے؟ اور کیا تمام بنی آدم اس حقیقت کبریٰ پر یقین رکھتے ہیں؟ اسلام دنیا کے تمام جھوٹے مذاہب پر آیا اور انکو نگل گیا کیونکہ اسلام ایک ایسی حقیقت ہے جو قلب طبیعت سے خارج ہوئی ہے' ابھی اسلام کا اچھی طرح غلبہ بھی نہیں ہوا تھا کہ تمام وثنیات عرب اور جدلیات نصاریٰ جل کر خاک ہو گئے' گویا ہر وہ مذہب جو حق نہیں ایک سوکھی لکڑی تھا' جس کو اسلام کی آگ کھا گئی' بس تمام جھوٹے مذاہب تو ختم ہو گئے' لیکن آگ ابھی تک اسی آب و تاب کے ساتھ باقی ہے۔

قرآن اور اس کا اعجاز: قرآن پر مسلمانوں کا فرط اعجاب اور اس کے اعجاز کو تسلیم کرنا یہ اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ مختلف اقوام کے ذوق مختلف ہوتے ہیں' بلاشبہ ترجمہ' اصل متن کی فصاحت و بلاغت اور اس کے حسن کو بہت کچھ باطل کر دیتا ہے' اسی وجہ سے تم ایک یورپین کو دیکھو گے کہ وہ قرآن کے پڑھنے میں ایک قسم کی بے توجہی محسوس کرتا ہے کیونکہ وہ قرآن کے انگریزی ترجمہ کو اسی طرح پڑھتا ہے جس طرح اخبارات پڑھے جاتے ہیں' قرآنی صفحات میں وہ طول طویل تھکا دینے والے اقوال کا ایک وسیع چٹیل میدان قطع کرتا ہے اور اپنے ذہن میں کلموں کے ٹیلے اور پہاڑوں کو ٹھونستا ہے' تاکہ ان کے درمیان کسی مفید بات سے واقف ہو سکے' لیکن اب ایک عرب کو اس کے برخلاف پاؤ گے' کیونکہ اس کی آیتوں اور اس کے ذہن کے درمیان ایک قسم کی سخت مناسبت ہے' علاوہ ازیں وہ اصل متن پڑھتے ہیں۔ جس کا حسن و رونق ترجمہ کی وجہ سے باطل نہیں رہتا' اسی وجہ سے عربوں نے اس کو معجزہ سمجھا اور اس کو اتنی بڑی فضیلت اور بزرگی دی کہ بڑے بڑے پرہیزگار نصاریٰ نے انجیل کو بھی نہیں دی' یہی قرآن ہر مکان اور ہر زمانہ کے لئے تشریع و عمل کا قانون ہے اور یہی وہ قانون ہے جس کی اتباع مسلمانوں پر زندگی کے تمام مسائل اور شعبے میں قطعی اور واجبہ ہے اور یہی وہ وحی الٰہی ہے جو لوگوں کی ہدایت کے لئے آسمان سے نازل ہوئی ہے' یہ قرآن مسلمانوں کے لئے ایک روشن چراغ ہے جو انہیں عیش و آرام اور سعادت کی طرف رہنمائی کرتا اور صراط مستقیم دکھاتا ہے۔ یہی قانون تمام احکام قضا کا مصدر ہے' یہی قرآن وہ کتاب ہے جس کا پڑھنا' حفظ کرنا اور زندگی کے وسیع میدان کی تاریکی میں اس سے روشنی حاصل کرنا ہر مسلمان کے لئے قطعی اور ضروری ہے' مسلمانوں کے ممالک میں بے شمار ایسی مسجدیں ہیں جن میں پورا قرآن ہر روز ایک مرتبہ پڑھا جاتا ہے' تیس حافظ اس کو یکے بعد دیگرے پڑھتے ہیں' اس طرح سے دنیا میں صرف یہی وہ کتاب ہے جس کی آواز خدا کی ہزاروں مخلوق کے کانوں میں ہمیشہ گونجتی رہتی ہے اور آج بارہ صدی سے ہر لحظہ اور ہر سیکنڈ میں ان کے دلوں پر اثر کر رہی ہے' کہا جاتا ہے کہ بعض فقہاء نے اس کو ستر ہزار بار پڑھا ہے۔

قرآن کے فضائل میں سے اخلاص بھی ہے: جب کوئی بات زبان سے نکلتی ہے تو وہ کان سے آگے نہیں بڑھتی اور جب دل سے نکلتی ہے تو دل تک پہنچ جاتی ہے جیسا کہ کسی نے کہا ہے۔

؎ بات جو دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

قرآن بھی اسی طرح محمد صلعم کے دل سے نکلا ہے' پس وہ بھی اپنے پڑھنے والے اور سننے والے کے دل میں پہنچ جاتا ہے' براڈیہ اور اس

جیسے لوگ کہتے ہیں کہ قرآن مکر وفریب کا ایک ٹکڑا ہے جس کو محمد نے لکھ کر اس لئے پیش کیا کہ وہ اس کے حاصل کردہ گناہوں کے لئے ایک عذر اور مقصود تک پہنچنے کے لئے ایک ذریعہ ہو سکے (نعوذ باللہ) لیکن اب وقت آ گیا ہے کہ ہم اس قسم کے لغو اور غیر ذمہ دارانہ کلام کی پرزور تردید کریں' مجھے تو ان لوگوں پر سخت غصہ آتا ہے جو اس قسم کی لغو اور جھوٹی باتیں محمد ﷺ کی طرف منسوب کرتے ہیں' ایک سچی نظر والا انسان کبھی بھی قرآن کے متعلق اس قسم کی باطل رائے پیش کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا' قرآن کو اگر غور سے دیکھو گے تو معلوم ہو گا کہ وہ ایک روشن چنگاری ہے جو بڑی روح والے انسان کو خاموش خلوتوں کے طویل غور وفکر کے بعد ملی' حوادث قلبی لمحۂ بصر سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ ان کے قلب پر ہجوم کرتے اور سینہ میں جمع ہوتے تھے یہاں تک کہ قریب تھا کہ نکلنے کی بھی جگہ نہ ملے۔ تم کو معلوم ہے کہ وہ اس تیس سال کی مدت میں ہمیشہ کسی نہ کسی مصیبت میں گرفتار رہے گویا آپ متواتر آنے والے حوادثوں کی چکی کے لئے قطب تھے' تمام عالم میں ہرج ومرج اور فتنہ وفساد پھیلا ہوا تھا' ان تمام باتوں نے محمد صلعم کو ہمیشہ مصیبتوں اور مشقتوں میں مبتلا کر رکھا تھا' رسالت حاصل ہونے کے بعد کبھی آپ کو آرام اور چین نصیب نہ ہوا' آپ کی تیز روح رات بھر بیداری کی حالت میں تخیل کرتی اور مختلف قسم کی فکریں ان کے ذہن میں وارد ہوتیں' یہاں تک کہ جب کوئی اچھی فکر چمکتی تو اس کو آسمان سے اترا ہوا ایک نور خیال کرتے' یہ جھوٹے اور جاہل لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ شعبدہ باز اور محتال تھے' قطعا نہیں' ہرگز نہیں' وہ قلب جو گرم اور جوش مارنے والا تھا' گویا غور وفکر کا ایک مشتعل تنور تھا' ایسا قلب شعبدہ باز اور حیلہ جو نہیں ہو سکتا' وہ اپنی زندگی کو اپنی نظر میں حق اور اس عالم کو ایک بہت بڑی حقیقت سمجھتے تھے۔

اخلاص ہی منشاء فضیلت ہے: بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ خالص اور پاک اخلاص ہی قرآن کی وہ فضیلت ہے جس نے اس کو عربوں کے نزدیک اس قدر محبوب بنا دیا فی الواقع ہر کتاب کی اول اور آخری فضیلت یہی ہے اور یہی اخلاص دوسرے فضائل کا بھی منبع و منشا ہے بلکہ اسکے علاوہ کسی ایسی دوسری چیز کا ہونا غیر ممکن ہے جو کتاب کے لئے کوئی فضیلت پیدا کر سکے' تعجب کی بات تو یہ ہے کہ تم کو قرآن میں شعر کی ایک اصلیت نظر آئے گی جو ابتدا سے انتہا تک چلتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ زندگی کے تمام شعبے میں محمد صلعم کو کامل بصیرت حاصل تھی' پھر ان کے اندر اپنے ذہنی معلومات کو ہم لوگوں کے ذہنوں میں ڈالنے اور بٹھا دینے کی بھی بڑی زبردست قدرت تھی۔

قرآن اشیاء کی تہ تک پہنچا ہوا ہے: قرآن مجید میں جو کچھ نماز اور تحمید وتمجید کے تذکرے موجود ہیں ان پر مجھے کوئی تعجب نہیں' کیونکہ بعینہٖ ان کے مشابہ یہ چیزیں انجیل میں بھی ملتی ہیں' بلکہ میں قرآن کی اس صفت پر تعجب کرتا ہوں جو اسمیں اسرارِ امور تک نفوذ کرنے کی صلاحیت پائی جاتی ہے' بس یہ چیز مجھے بہت زیادہ لذت پہنچاتی اور بہت زیادہ متعجب کر رہی ہے۔ وذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء (اور یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے)۔

اسلام کی نظر میں معجزے: محمد رسول اللہ صلعم سے جب سوال کیا گیا کہ آپ معجزہ پیش کریں تو آپ نے فرمایا یہ عالم اور کائنات تمہارے لئے کافی معجزہ ہیں' تم زمین میں غور کرو' کیا یہ اللہ کی عجیب صنعت نہیں؟ اور کیا اللہ کے وجود اور اس کی عظمت پر زبردست نشانی نہیں؟ یہ زمین جس کو اللہ نے تمہارے لئے پیدا کیا اور اس پر راستے بنائے جن پر تم آرام سے چلتے ہو اور اس میں سے روزی حاصل کرتے ہو' اور یہ بادل جو آفاق میں چلتا ہوا نظر آتا ہے۔ معلوم نہیں کہ کہاں سے آیا اور کہاں جا رہا ہے' فضا میں معلق ہے' پہلے وہ بالکل

سیاہ ہو جاتا پھر مردہ زمین کو زندہ کرنے کے لئے زور سے برسنے لگتا ہے' جس سے نباتات' کھجور اور انگور وغیرہ پیدا ہوتے ہیں' کیا یہ تمام چیزیں معجزہ اور آیات نہیں؟ یہ چوپائے جن کو اللہ نے تمہارے لئے پیدا کیا اور جو تمہارے لئے گھاس کو دودھ میں بدل دیتے ہیں اور یہ بڑی بڑی کشتیاں (آپ اکثر کشتیوں کا ذکر کرتے) جو ایک بڑے متحرک پہاڑ کی طرح معلوم ہوتی ہیں ور اپنے پر پھیلائے ہوئے سمندر کی خطرناک سطحوں کو چیرتی ہیں' ہوا چلتی ہے تو یہ کشتیاں چلتی ہیں اور جب اللہ تعالیٰ ہوا کو روک لیتا ہے تو دفعتہً ٹھہر جاتی ہیں' قسم خدا کی یہ سب معجزات ہیں' اب ان کے بعد پھر تم کس قسم کا معجزہ چاہتے ہو؟ انسانو! کیا خود تم ایک معجزہ نہیں؟ ایک وقت تم موجود نہیں تھے' پھر اللہ نے تم کو پیدا کر کے جمال' قوت اور عقل وغیرہ عطا فرمایا اور تم کو اشرف صفات یعنی رحمت عنایت کی' پھر تم بوڑھے ہو جاؤ گے تمہاری ہڈیاں کمزور ہو جائیں گی اور آخر پہلے کی طرح غیر موجود اور معدوم ہو جاؤ گے۔''اللہ نے تم کو رحمت عنایت فرمائی''اس جملہ نے مجھے سخت حیرت میں ڈال دیا کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ انسان کو بلا رحمت پیدا کرتا تو پھر انسان کا کیا حال ہوتا' یہ محمد صلعم کی ایسی باریک نظر ہے جو حقیقت کی تہ تک پہنچی ہوئی ہے' اسی طرح میں آنحضرت صلعم میں زبردست شعری دلائل اور اکرم خصال و اشرف محامد کے آیات بھی دیکھتا ہوں اور آپ میں ایک بڑی عقل راجح' بیدار آنکھ' صادق قلب اور نہایت ہوشیار دماغ بھی پاتا ہوں' خلاصہ یہ کہ آپ ایک قوی' ہر فن ماہر انسان تھے اگر شاعر ہونا چاہتے تو زبردست شاعر ہوتے اور اگر مشہور شہسوار ہونا چاہتے تو بہادر شہسوار ہوتے یا بادشاہ ہونا چاہتے تو بہت بڑے بادشاہ ہوتے' غرضکہ ہیرو اور بہادروں کی جس صنف کو پسند کرتے اس میں سب سے زیادہ فائق اور ماہر ہوتے۔

بلاشبہ یہ عالم ان کی نظر میں زبردست معجزہ تھا اور اس میں آپ بھی وہی چیز دیکھتے تھے جس کو بڑے بڑے مفکرین دیکھتے ہیں یہاں تک کہ شمالی وحشی قوم بھی وہی چیز دیکھتی ہے' وہ یہ کہ یہ ٹھوس اور جامد مادی عالم جو درحقیقت لاشئ محض ہے' اللہ کے وجود پر ایک زبردست آیت اور نہایت مستحکم دلیل ہے اور عالم ایک سایہ ہے جس کو اللہ نے فضا کے سینہ پر معلق کر دیا ہے' اس کے سوا عالم کی حقیقت کچھ بھی نہیں' آنحضرت صلعم فرماتے تھے یہ بڑے بڑے پہاڑ عنقریب تحلیل اور بادل کی طرح فنا ہو جائیں گے' پہاڑ زمین کے ستون ہیں' یہ زمین بھی قیامت کے دن فنا ہو کر فضا میں گرد و غبار بن جائے گی' آپ کی آنکھوں کے سامنے اللہ کی طاقت ہر چیز پر مسلط اور واضح تھی' ہر مکان ایک مجہول و بارونق قوت سے بھرا ہوا نظر آتا تھا' اسی کا نام قوتِ صادقہ' جوہر اور حقیقت ہے اور اسی چیز کو علماء عصر قوت اور مادہ کہتے ہیں' یہ لوگ اس کو ایک مقدس چیز نہیں سمجھتے بلکہ اس کو شے بھی نہیں سمجھتے' وہ تو ان کے نزدیک چند ایسی چیزیں ہیں جو درہموں کے عوض فروخت اور مثقالوں سے وزن کی جاتی ہیں اور یہی وہ چیز ہے جو بڑے بڑے اسٹیم انجن والے جہازات کے چلانے میں استعمال کی جاتی ہے' کیمیا اور حساب بھی کیسی چیزیں ہیں' جنہوں نے اللہ کے پوشیدہ راز کو اس طرح ہمارے سامنے ظاہر کر دیا' پھر اس کے بعد خدا کے اس اہم راز کو بھول جانا بھی کس قدر شرم کی بات ہے' اگر ہم اسی کو فراموش کر جائیں تو پھر اس کے بعد کونسی چیز مستحق ذکر رہ جاتی ہے' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر علوم بھی مردہ اور فانی ہیں' فی الواقع میں تو تمام علوم کو سوکھی اور مردہ لکڑی کی طرح سمجھتا ہوں' کیونکہ علم ایک بڑھنے والے درخت اور کثیف جنگل کے مثل نہیں ہے جو ہمیشہ اپنا اثر ایک لکڑی اور درخت کے بعد دوسری لکڑی اور درخت سے دیتا رہتا ہے' ایک انسان اسی وقت علم پا سکتا ہے جبکہ وہ اس کو پہلے عبادت میں تلاش کرے' یعنی علم دراصل اسی انسان کا علم ہے جو عبادت گذار ہو ورنہ پھر وہ علم جھوٹا اور محض دردسر ہے۔

ان لوگوں کی تردید جو اسلام پر شہوانیت کا الزام لگاتے ہیں: دین اسلامی کی شہوانیت پر بھی بہت کچھ کہا گیا اور بہت کچھ لکھا گیا ہے' میرے نزدیک یہ تمام مکتوبات وتحریرات ظلم ہیں' کیونکہ اگر مسیحی محرمات کو آنحضرت صلعم نے مباح قرار دیا تو یہ ان کی طرف سے نہیں ہوا بلکہ وہ تو اسی قانون کے مطابق جاری ہوا جو عربوں کے نزدیک بہت ہی قدیم زمانہ سے چلا آ رہا تھا' آنحضرت صلعم نے حتی الامکان ان چیزوں کو کم کرنے کی کوشش فرمائی اور ان پر اپنی طاقت اور امکان کے مطابق حدود متعین فرمائے' لیکن ان تمام کے باوجود بھی دین محمدی کچھ سہل اور آسان نہیں' کیونکر سہل ہوسکتا ہے' اس میں پنجوقتہ نمازیں' وضو' روزہ اور دوسرے سخت قوانین مثلاً حرمتِ شراب وغیرہ بھی ہیں' لوگوں کا یہ خیال غلط ہے کہ اسلام کی کامیابی اور انسانوں کا اس کو قبول کرنا اسلام کی سہولت کی وجہ سے ہوا یہ طعنہ تو فی الواقع اسلام پر ان تمام طعنوں سے زیادہ فحش ہے جو آج تک بنی آدم پر کیا گیا ہے' اسی طرح یہ خیال بھی غلط ہے کہ وہ بڑے بڑے کام جو آنحضرت صلعم نے انجام دیئے' دراصل طلبِ راحت و لذت کے لئے تھا' قطعاً نہیں' کیونکہ ایک معمولی انسان بھی کسی عظمت اور جلال سے خالی نہیں ہوتا' ایک فوجی جو جنگوں میں اپنی روح کو معمولی اور حقیر اجرت پر فروخت کرتا ہے' اس کے اندر بھی ایک قسم کی شرافت ہوتی ہے جس کی وہ قسم کھایا کرتا ہے چنانچہ کہتا ہے میری شرافت کی قسم میں ضرور ایسا کروں گا' حقیر سے حقیر آدمی بھی یہ آرزو نہیں کرتا کہ وہ ہمیشہ حلوا ہی کھایا کرے بلکہ اس کی آرزو کبھی یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ کوئی شریف عمل اور محمود فعل انجام دے اور لوگوں کے نزدیک ثابت کرے کہ وہ بھی ایک مرد فاضل اور شریف ہے' کوئی شخص کسی بے وقوف انسان کی طرف متوجہ ہوتا اور اس کو عزت کے راستے بتاتا ہے' اس کو سن کر وہ بے وقوف بھی فوراً تیار ہو جاتا اور اس کا دل ہمت وشجاعت سے بھر جاتا ہے' پھر ایک روز وہی بے وقوف میدان عمل کا ہیرو بن جاتا ہے' وہ لوگ کس قدر ظالم ہیں جو انسان پر یہ تہمت لگا دیتے ہیں کہ فلاں شخص فطرتاً راحت طلب اور عیش و آرام کا دل دادہ ہے' انسان کا مقصود اور اس کو اپنی طرف جذب کرنے والی یہ چیزیں ہیں مثلاً خطرات' مشکلات' شہادت اور قتل وغیرہ' دنیا میں کبھی بھی لوگوں نے کسی دین کی اتباع اس وجہ سے نہیں کی کہ انہیں اس میں متاع ولذت ملنے کی امید تھی بلکہ اس وجہ سے کہ یہ دین ان کے قلوب میں شرف وعظمت کے اسباب پیدا کرے گا۔

شہوتوں سے آنحضرت ﷺ کی برأت اور آپ کا تقشّف اور تواضع: آنحضرت صلعم (معاذ اللہ) شہوت کے بندے نہیں تھے' جو لوگ ان پر یہ اتہام لگاتے ہیں وہ ظالم ہیں اور سرکش ہیں' اگر ہم محمد صلعم کو بھی ایک ایسا شہوت پرست انسان سمجھیں جس کا مقصود محض تکمیل لذت ہوتا ہے تو فی الواقع پھر دنیا میں کوئی عفیف اور نیک انسان کا وجود ہی ثابت نہیں ہوسکتا اور ہم لوگ سخت گنہگار اور ظالم ہوں گے' آنحضرت صلعم کو تو لذات سے کوئی مناسبت ہی نہ تھی' ان کے اور لذتوں کے درمیان تو اتنا ہی فرق تھا جتنا کہ آسمان اور زمین کے مابین ہے' وہ اپنے مسکن' کھانے' پینے' لباس اور تمام امور وحالات میں زاہد اور متقشف تھے' ہمیشہ ان کا کھانا روٹی اور پانی ہوتا تھا' بسا اوقات مہینوں گذر جاتے اور آپ کے مکان میں آگ روشن نہ ہوتی' مورخین کہتے ہیں اور کیا ہی خوب کہتے ہیں کہ وہ خود ہی اپنے ہاتھ سے اپنا کپڑا رفو کر لیا کرتے تھے' کیا اس کے بعد بھی عزت وفخر کا کوئی درجہ ہے؟

آنحضرت ﷺ بھی کیا ہی اعلیٰ انسان تھے' معمولی سا موٹا لباس' موٹے کھانے' دن بھر اللہ کے راستہ میں کوشش کرنے والے' رات بھر عبادت کے لئے جاگنے والے اور ہر وقت اللہ کے دین کو پھیلانے میں مشغول رہنے والے تھے' ان تمام سے ان کا

مقصود کوئی رتبہ یا دولت یا طاقت وغیرہ حاصل کرنا مقصود نہیں تھا جیسا کہ کم ظرف لوگوں کا وطیرہ ہوتا ہے۔ ان تمام سے ان کا مقصود ذکر اور شہرت نہیں تھا' خواہ وہ کیسی شہرت بھی ہو' قسم خدا کی وہ ایک مرد عظیم تھے' ورنہ ان کو سخت دل عربوں سے اس قدر زبردست توقیر' احترام اور تعظیم وتکریم کبھی بھی حاصل نہیں ہوسکتی تھی' ناممکن تھا کہ وہ عربوں کی قیادت اوران کے ساتھ تیئس سال تک معاشرت کرتے' کیونکہ تمام عرب آپ کے گرد مجتمع تھے اور آپ کے سامنے قتال و جہاد کرتے تھے' ان عربوں کی طبیعت میں حد درجہ تیزی' غلظت' جلد بازی' سختی' غرور اور بدخلقی وغیرہ تھی' لہٰذا وہ شخص جو انہیں مہذب اور خوش خلق بنانے اوران کی غلظت کو فنا کرنے میں اس طرح کامیاب ہوا کہ وہ تمام اس کے ماتحت اور غلام بن گئے' قسم خدا کی یقیناً وہ شخص بہادر اور زبردست انسان ہے' اگر یہ عرب لوگ آنحضرت صلعم میں بھی شرافت اور فضیلت کی علامت نہ دیکھتے تو یقیناً وہ ان کے ماتحت کبھی نہ ہوتے اور نہ ان پر ایمان لاتے' حالانکہ واقعہ تو یہ ہے کہ عرب لوگ انگلیوں سے بھی زیادہ آپ کے مطیع اور فرمانبردار تھے۔

میرا تو یہ خیال ہے کہ اگر عربوں پر محمد صلعم کی بجائے کوئی قیصر مع اپنے تخت وتاج کے بادشاہ بنادیا جاتا تو یقیناً وہ بھی ان لوگوں کی اطاعت وفرمانبرداری اس قدر حاصل نہیں کرسکتا تھا جس قدر آنحضرت صلعم نے اپنے ان کپڑوں میں حاصل کرلیا جن میں وہ اپنے ہاتھ سے پیوند لگایا کرتے تھے۔ عظمت اس کا نام ہے اور ہیرو ایسے ہی انسان کو کہتے ہیں۔

محمد صلعم کے اخلاق حسنہ: آپ کے آخری کلمات تسبیح اور نماز ہوتے تھے' آپ کے قلب کی آواز خوف ورجاء کے درمیان معلق ہوتی' آپ کو یہ خیال ہوتا کہ ممکن ہے یہ آواز خدا تک پہنچ جائے اور ممکن ہے کہ نہ پہنچے' میں نہیں سمجھتا کہ شدت تدین نے ان کی فضیلت میں کچھ بھی عیب لگایا' ہرگز نہیں بلکہ اس چیز نے تو ان کی فضیلتوں کو اور بھی بڑھا دیا' آپ سے بہت کچھ قابل تعظیم باتیں مروی ہیں مثلاً ان میں سے ایک وہ ہے جس کو آپ نے اس وقت فرمایا تھا۔ جبکہ آپ کے لڑکے نے انتقال فرمایا۔

''آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں' قلب پر درد ہے' ہم ایسی باتیں نہیں کہتے جو اللہ تعالیٰ کو غضبناک کردیں۔''

جب آپ کے مولی زید بن حارثہ غزوۂ موتہ میں شہید ہوگئے تو اس وقت فرمایا: ''زیدؓ نے اللہ کے راستے میں جہاد کا حق ادا کردیا اور آج اللہ سے مل گیا' آج اس پر کوئی حرج نہیں''۔ لیکن اس کے بعد ہی حضرت زید کی بیٹی نے رسول اللہ صلعم کو دیکھا کہ اس کے والد کے بدن پر رو رہے تھے' لڑکی نے دیکھا کہ ایک سن رسیدہ انسان جس کے سر میں بڑھاپے کے آثار پھیلے ہوئے ہیں اس کا دل آنسو بن کر بہ رہا ہے اس وقت زید کی بیٹی نے کہا ''یہ میں کیا دیکھ رہی ہوں؟'' آپ نے فرمایا: ''ایک دوست اپنے ایک دوست کے لئے رو رہا ہے۔''

اس قسم کے اقوال وافعال ہم کو بتاتے ہیں کہ محمد ﷺ میں انسانیت کی زبردست رحمت وشفقت تھی اور وہ ہم لوگوں کے مہربان اور شفیق بھائی تھے۔

ریاکاری اور تصنع سے آنحضرت صلعم کی برأت: میں تو آنحضرت صلعم کو اسی لئے محبوب رکھتا ہوں کہ آپ کی طبیعت تصنع اور ریاکاری سے بالکل پاک وصاف اور بری تھی' یہ پیغمبر صحرا ایک مستقل رائے والا انسان تھا' آپ صرف اپنے نفس پر اعتماد رکھتے تھے' اور ایسی چیز کا دعویٰ نہیں کرتے تھے جو آپ میں موجود نہ ہوتی۔ متکبر نہیں تھے' لیکن ساتھ ہی ذلیل اور ادنیٰ انسان بھی نہیں تھے' اپنے پیوند لگے ہوئے کپڑے میں نہایت ہی آزادانہ طور پر روم کے قیصر اور عجم کے کسریٰ کو مخاطب فرماتے اوران کو ایسی باتیں بتاتے جو ان کے لئے اس زندگی اور اخروی زندگی میں نہایت ضروری تھیں' آپ اپنے نفس

کی قدر پہچانتے تھے' اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ سخت لڑائیاں جو آپ کے اور عربوں کے درمیان ہوئیں کچھ سختی سے خالی نہ تھیں' تاہم وہ رحمت' کرم اور بخشش کے دلائل سے بھی خالی نہ تھیں' آپ نہ تو پہلی صورت پر کوئی عذر پیش کرتے اور نہ دوسری صورت پر فخر کرتے' کیونکہ آپ ان چیزوں کو اپنے وجدان کی وحی اور اپنے شعور کے اوامر میں سے تسلیم کرتے تھے' آپ کا وجدان آپ کے نزدیک کچھ مہتم اور آپ کا شعور آپ کے نزدیک کچھ مظنون نہیں تھا بلکہ ان پر کامل یقین رکھتے تھے۔

آنحضرت صلعم لغو اور بیکار کام کرنے والے نہیں تھے: آپ پختہ ارادے والے انسان تھے' آج کا کام کل پر نہیں ڈالتے تھے اکثر یوم تبوک کو یاد فرمایا کرتے کیونکہ کچھ صحابہؓ نے میدان جنگ کی طرف روانگی سے انکار کر دیا تھا اور یہ حجت پیش کی تھی کہ اب فصلوں کی کٹائی اور سخت گرمی کا وقت ہے' آپ نے فرمایا غلوں اور فصلوں کی کٹائی! جو ایک دن سے زیادہ نہیں ٹھہرتے' پھر آخرت کے لئے تم نے کیا سامان تیار کر رکھا ہے؟ تم کہتے ہو گرمی ہے' بلاشبہ گرمی ہے لیکن جہنم کی گرمی اس سے بھی زیادہ سخت ہے' بعض اوقات آپ کا کلام اپنے اندر تحکم اور استہزاء کا انداز لئے ہوئے ہوتا تھا' چنانچہ کفار سے فرمایا کرتے تھے: تم اپنے اعمال کا بدلہ قیامت کے دن ضرور پاؤ گے' بدلہ تمہارے لئے وزن کیا جائے گا اور اس میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں کی جائے گی۔

آپ کبھی کوئی بیکار کام نہیں کرتے تھے' آپ کے قول میں لہو ولعب کا شائبہ تک بھی معلوم نہیں ہوتا بلکہ آپ کے اقوال و اعمال ہمیشہ نقصان وفلاح اور فنا وبقا کے مسئلوں سے متعلق ہوا کرتے اور یہ تمام امور صرف اپنے شدید اخلاص اور خالص کوشش کے تحت انجام فرمایا کرتے تھے۔

حقیقت کے ساتھ کھیلنا خطرناک جرم ہے: اقوال اور قضایائے منطقیہ کے ذریعے کھیلنا اور حقائق کو باطل اور عبث کرنا' آنحضرت صلعم کی شان سے بہت ہی بعید تھا اور میرے نزدیک تو یہ خطرناک جرم ہے' کیونکہ ایسا کرنا گویا قلب کو مردہ کر لینا' حقائق سے آنکھیں پھیر لینی اور اپنی زندگی کو جھوٹے مظاہر میں گذارنا ہے' ایسے لوگوں کے متعلق ہر شخص کو یقین ہوتا ہے کہ ان کے تمام اقوال و افعال قطعاً کاذب ہیں بلکہ وہ خود مجسم جھوٹ ہیں' ایسے ذلیل انسانوں میں مروت اور شرافت کی عادت بالکل ہی دھندلی ہوتی ہے اور وہ لوگ حیات وموت کے اسباب کے درمیان مضطرب اور حیران رہتے ہیں' انہی صفات والا انسان دراصل ایک جھوٹا انسان ہے' مجھے اس سے انکار نہیں کہ ایسے جھوٹے شخص کی زبان صیقل شدہ اور اس کے کلام مہذب ہوتے ہیں اور بعض زمانہ ومکان میں اپنے لئے کچھ حرمت واحترام بھی حاصل کر لیتا ہے اور اس کی نشست و برخواست اور میل جول سب ایک حد تک اچھے ہوتے ہیں لیکن ان تمام کے باوجود وہ جھوٹا شخص کاربونک ایسڈ کے مثل ہوتا ہے جو باوجود لطافت کے زہر قاتل اور موتِ قطعی ہے۔

اسلام میں مساوات: اسلام میں ایک ایسی صفت ہے جس کو میں تمام اوصاف سے زیادہ شریف اور زیادہ بزرگ سمجھتا ہوں اور وہ انسانی مساوات ہے' یہ صفت انتہائی سچی نظر اور بے حد صوابِ رائے پر دلالت کرتی ہے' ایک مومن کا نفس زمین کی تمام دولتوں سے بھی راجح ہے اور اسلام میں تمام مسلمان مساوی ہیں۔

اسلام میں زکوٰۃ: اسلام زکوٰۃ کو نہ صرف سنت محبوبہ بلکہ ہر مسلم پر فرضِ قطعی قرار دیتے ہوئے اس کو اسلام کے ارکان میں سے ایک رکن سمجھتا ہے۔ پھر انسانی ثروت کے اعتبار سے اس کی مقدار متعین کرتا ہے چنانچہ اسلام کے نزدیک اس کا تعین ثروت کا چالیسواں حصہ ہے' جو فقیروں' مسکینوں اور محتاجوں کو دیا جاتا ہے واللہ یہ تمام اصول کس قدر عمدہ اور اعلیٰ ہیں' یہ سب انسانیت کی آواز ہیں یعنی

انسانی رحمت' اخوت اور مساوات کی آواز جو اس مرد کامل پیغمبرِ صحرا کے دل سے نکلی ہے۔

قرآن کی نظر میں جنت و جہنم: بعضوں نے قرآنی جنت و نار پر مادی و حسی غلبے کو بری نظر سے دیکھا ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ یہ عیب شارحین و مفسرین کی طرف عائد ہوتا ہے' نہ کہ قرآن کی طرف' کیونکہ قرآن نے تو جنت و جہنم کی طرف حسیات و مادیات کی اسناد بہت ہی کم کی ہے اور جہاں بھی اس قسم کا تذکرہ قرآن میں ہے تو وہ دراصل تلمیحات و اشارات ہیں' مفسرین ہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہر ایک لذت حسی اور شہوت مادی کو جنت کے ساتھ اور ہر ایک بدنی و جسمانی آلام و تکلیفات کو جہنم کے ساتھ ملا کر چھوڑ دیا' قرآن نے روحانیات ہی کو جنت کی سب سے بڑی لذت قرار دیا ہے چنانچہ قرآن کا ارشاد ہے۔

وقال لهم خزنتها سلام عليكم طبتم فادخلوها خالدين۔

جنت کے خازن کہیں گے تم لوگوں پر سلامتی ہو' تم لوگ خوش رہو اور اس میں ہمیشہ کے لئے داخل ہو جاؤ۔

انسانی آرزوؤں کی انتہا اور تمام لذتوں میں سب سے بڑی لذت ہر ایک عاقل کی نظر میں یہی **سلامتی** اور **امن** ہیں' دنیاوی زندگی میں ان کا حصول قطعاً ناممکن ہے' دوسری جگہ ارشاد ہے۔

ونزعنا ما فی صدورهم من غل اخوانا علی سرر متقابلين۔

ان کے سینوں کے تمام بغض و حسد کو ہم کھینچ لیں گے اور وہ باہم بھائی بھائی ہو کر متقابل کرسیوں پر بیٹھیں گے۔

بغض و حسد سے زیادہ رذیل خباثت اور کیا ہے؟ تمام تکلیفات مصائب' آلام اور آفات کا مصدر یہی دونوں ہیں اور باہمی الفت و صفائی قلب سے زیادہ خوشگوار اور کیا چیز ہو سکتی ہے؟

اسلام میں روزہ: ماہ رمضان اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ اسلام ہر قسم کی لذتوں اور شہوتوں سے بَری اور پاک و صاف ہے' کیونکہ ماہ رمضان میں انسان ہر قسم کی شہوتوں سے قطعاً رک جاتا ہے' نفس کو اس کے تمام شہوانی مطالب اور مقاصد سے محروم کر دیا جاتا ہے' عقل و حزم کی یہی تو انتہا ہے' کیونکہ لذتوں کا حصول فی نفسہٖ کوئی بری بات نہیں بلکہ بری بات یہ ہے کہ جابر شہوت کے سامنے انسانی نفس حد درجہ ذلیل و خوار ہو جائے اور خواہشات و رغبات کا بالکل خادم اور غلام ہو جائے' سب سے بہترین فضیلت اور شریف عادت یہ ہے کہ انسان کو اپنے نفس پر غلبہ حاصل ہو اور لذات کو نفس کے لئے زنجیر یا قید نہ بنا دے تاکہ نفس منع کرنے کے باوجود سرکشی نہ کر سکے' بلکہ لذات نفس کے لئے صرف زبور اور زخارف ہوں انسان جب چاہے ان لذتوں کو اپنے نفس سے روک دے' یہی رمضان کا حال ہے' خواہ وہ آنحضرت صلعم کا قانون ہو یا فطرت کی وحی ہو یا الہام الٰہی' بہرحال قسم خدا کی روزہ کا قانون بھی بہترین قانون ہے۔

جنت و نار حقیقتِ ابدیہ کے رمز ہیں: حقیقت یہ ہے کہ جنت و جہنم دراصل حقیقات ابدیہ کے رمز ہیں' اس کا کبھی بھی ایسا بہترین اور اعلیٰ تذکرہ نہیں کیا گیا جیسا کہ قرآن شریف میں کیا گیا ہے' جنت اور اس کی لذتیں' جہنم اور اس کے عذاب اور اس قیامت کے متعلق تم کیا خیال کرتے ہو جس کی بابت قرآن مجید یہ کہتا ہے۔

يوم ترونها تذهل كل مرضعة عما ارضعت و تضع كل ذات حمل حملها و ترى الناس سكارىٰ وما هم بسكارىٰ۔

اس روز تم دیکھو گے کہ ہر دودھ پلانے والی اس کو بھول جائے گی جس کو وہ دودھ پلاتی تھی اور ہر حمل والی عورت اپنے حمل وضع کر دے گی اور تم لوگوں کو نشہ کی حالت میں

دیکھو گے حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہوں گے۔

یہ تمام باتیں کیا ہیں؟ یہ تمام باتیں دراصل حقیقت روحانیہ کبریٰ کا جو تمام حقائق کی اصل ہے ایک ظل اور سایہ ہیں جو اس نبی ﷺ کے خیال میں متمثل ہوا' یہ نبی اس زندگی کو ایک امر مجسم دیکھتے تھے اور ان کے نزدیک ہر عمل انسانی خواہ حقیر ہی کیوں نہ ہو بہت زیادہ اہمیت رکھتا تھا' اس لحاظ سے انسان کا جو عمل برا ہے اس کا نتیجہ ابدیہ بھی برا اور جو عمل صالح ہے اس کا ثمرۂ سرمدیہ بھی صالح ہوگا اور انسان اپنے نیک اعمال کی وجہ سے اعلیٰ علیین تک اور برے اعمال کے باعث اسفل سافلین تک پہنچ سکتا ہے یہ تمام حقائق اس صحرائی انسان کی منور روح میں مشتعل تھے گویا کہ یہ حقائق آتشی حرفوں سے ان کی صفا روح میں منقش کر دیئے گئے تھے' آپ نے ان تمام حقیقتوں کو انتہائی اخلاص کے ساتھ لوگوں کے سامنے بیان فرمایا اور ان کے ذہنوں میں مصور کرنا چاہا' چنانچہ اس حقیقت کبریٰ کو تمہارے سامنے جنت وجہنم کی صورت میں مصور کیا' یہ حقیقت جو لباس بھی پہن لے اور جس قالب میں بھی ڈھالی جائے' ہمیشہ تمام حقائق میں سب سے بہتر اور اعلیٰ حقیقت ہی رہے گی اور ہر اسلوب اور ہر صورت میں بھی مقدس رہے گی۔

مسلمانوں کے قلوب میں اسلام کا درجہ: میرے خیال میں دین اسلام' نصرانیت کی ایک قسم نہیں ہے اور اس میں مبصرین کے لئے روحانیت کے شریف اور اعلیٰ معانی موجود ہیں۔ لہٰذا دوستو! اسلام کا درجہ پہچانو اور اس کے حق میں کچھ کمی نہ کرو۔ آج اس پر بارہ سو سال کی طویل مدت گذر چکی اور وہ اب تک عالم کے پانچویں حصہ کے لئے دین قویم اور صراط مستقیم ہے' مزید برآں وہ ایک ایسا دین ہے کہ جس پر لوگ دل کی گہرائیوں سے ایمان لاتے ہیں' میں تو نہیں سمجھتا کہ نصاریٰ کی کسی جماعت نے اپنے مذہب کو اسی مضبوطی کے ساتھ پکڑا ہو' جیسا کہ مسلمانوں نے اسلام کو پکڑا کیونکہ مسلمان اس پر کامل یقین رکھتے ہیں اور ہمیشہ اسی کے مطابق اپنی زندگی بسر کرتے ہیں حتیٰ کہ ایک چوکیدار رات کے وقت قاہرہ کی سڑکوں پر کسی جانے والے کو پکارتا ہے۔ ''کون جا رہا ہے؟'' تو وہ گذرنے والا جواب دیتا ہے ''لا الہ الا اللہ'' توحید' تکبیر اور تہلیل کے کلمے رات دن ان کروڑوں انسانوں کی روحوں میں گونجتے رہتے ہیں' اور بڑے بڑے اللہ والے فقہاء اور صوفیاء' بت پرست ہندی' چینی' اور ملائی قبائل میں سفر کر کے ان کی گمراہیوں کو دور کرتے اور ان کی جگہ قواعد اسلامی کی تعلیم دیتے ہیں' فی الواقع مسلمانوں کا یہ بہت ہی بہترین کام ہے۔

عربوں پر اسلام کا اثر اور اس کی فضیلت: اللہ تعالیٰ عربوں کو اسلام کے ذریعے تاریکی سے نور میں لایا' اور اس متفرق قوم سے ایک زبردست متحدہ امت کو پیدا کیا' پہلے یہی لوگ چند خانہ بدوش بدوی تھے' بالکل محتاج' فقیر' میدانوں اور صحراؤں کو قطع کرتے رہتے تھے' ابتداء عالم سے نہ تو ان کی آواز سنی گئی اور نہ ان میں کوئی حرکت محسوس کی گئی' تب اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ کے تحت ان کے لئے ایک نبی ارسال فرمایا' پھر کیا دیکھتے ہیں کہ اس نبی کی آمد کے تھوڑے ہی دنوں بعد عربوں کی وہ گمنامی شہرت سے' ذلت شرافت سے' پستی بلندی سے' کمزوری قوت سے' چنگاری شعلہ سے بدل گئی' اطراف عالم میں اس کا نور پھیل گیا اور تمام اطراف و اکناف کو اس کی تیز روشنی نے منور کر دیا' اس کی شعاعوں نے شمال کو جنوب کے ساتھ اور مشرق کو مغرب کے ساتھ باندھ دیا۔ اس حادثہ عظیم کے ایک صدی بعد ہی یہ حالت ہوگئی کہ عربی دولت کا ایک شخص ہندوستان میں تو دوسرا شخص اندلس میں موجود تھا' دنیا کی نصف آبادی پر اسلامی دولت' فضل' شرافت' مروت' دلیری' بہادری اور حق وہدایت کے نور سے مدتوں اور قرنوں چمکتی رہی' ایمان بھی فی الواقع ایک بہت بڑی نعمت اور چیز ہے' مبعثِ حیات اور منبع قوت یہی

ایمان ہے، جس قوم کا مذہب یقین اور منہاج ایمان ہو، وہ قوم ہمیشہ ہمیشہ فضائل کے درجوں میں ترقی اور شرافت کی بلند چوٹیوں پر چڑھتی ہوئی نظر آئے گی، تم عربوں اور محمد ﷺ اور ان کے زمانے پر غائر نظر ڈالو، دیکھو گے کہ گویا آسمان سے ایک چنگاری اس ریت پر گری جس میں نہ کوئی فضیلت دیکھی گئی تھی اور نہ کسی بھلائی کی امید تھی، لیکن دفعتہً یہی ریت بہت جلد بھک سے اڑنے والا بارود بن گئی، اب وہ مردہ ریت نہ رہی بلکہ ایک دہکتا ہوا انگارہ اور شعلہ خیز آگ بن گئی جس کے شعلے غرناطہ سے دہلی تک پھیلے ہوئے تھے۔

میں نے اکثر کہا ہے کہ ایک مردِ عظیم شہابِ آسمانی اور تمام لوگ اس کے انتظار میں سوکھی لکڑی کی طرح ہوتے ہیں، بس شہاب کے گرتے ہی تمام منتظرین سلگ جاتے اور دمکتا ہوا انگارہ بن جاتے ہیں، یہی حال اسلام اور مسلمانوں کا ہوا۔

BOOK CORNER

جہلم میں علامہ غلام احمد پرویز صاحب کی مکمل کتب اور ماہانہ طلوع اسلام خرید فرمائیں۔

ملنے کا پتہ: بک کارنر۔ مین بازار جہلم

ضرورتِ رشتہ

قرآنی فکر کے حامل گھرانے کی دو بیٹیاں جن کی عمریں 25 اور 23 سال ہیں اور تعلیم میٹرک اور بی۔اے ہے کے لئے برسرِ روزگار اور نیک سیرت لڑکوں کے پروپوزل مطلوب ہیں۔ رابطہ صرف بذریعہ خط درجِ ذیل پتہ پر کیجئے:

الف ب/معرفت ادارہ طلوع اسلام، 25 بی، گلبرگ 2، لاہور۔

ضرورتِ رشتہ

ہماری بیٹی، عمر 23 سال، نیک سیرت، خوش شکل، تعلیم بی۔ایس۔سی، P.G.D، کمپیوٹر انگلش زبان کا ڈپلومہ، آفس مینجمنٹ کا ڈپلومہ، ماہر امور خانہ داری، قوم انصاری۔ قد 5 فٹ 4 انچ کے لئے۔

دراز قد، فارن نیشنیلٹی ہولڈر، تعلیم یافتہ رشتہ مطلوب ہے۔ رابطہ بذریعہ فون وای میل:

Mobile:(0300-5101362), Email:nismat99@hotmail.com;

PROPHET MUHAMMAD(PBUH)

LECTURE—II

HERO AS PROPHET

BY

THOMAS CARLYLE

(HEROES, HERO—WORSHIP AND THE HEROIC IN HISTORY)

****

INTRODUCTION

This lecture was delivered on Friday, 8th May, 1840. In a letter dated 9th May, addressed to his mother the author writes: --

"I gave my second lecture yesterday to a larger audience than ever, and with all the success, or more, than was necessary for me. It was on Muhammad (PBUH). I had bishops and all kinds of people among my hearers. I gave them to know that the poor Arab had points about him which it were good for all of them to imitate; that probably they were more of quacks than he; that in short, it was altogether a new kind of thing they were hearing to-day. The people seemed greatly astonished and greatly pleased. I vomited it forth on them like wild Annandale grapeshot. They laughed applauded etc. In short, it was alright, and I suppose it was by much the best lecture I shall have the luck to give this time ....."

Maurice adds his testimony to Carlyle's eloquence in the lecture: --

"The lecture was by far the most animated and vehement I ever heard from him. It was a passionate defence of Muhammad (PBUH) from all the charges that have been brought against him and a general panegyric upon him and his doctrine. He did not bring out any new maxim, but it was a much clearer and more emphatic commentary than the former lecture upon his two or

three standing maxims; that no great man can be insincere; that a doctrine which spreads must have truth in it; and that this particular one was a vesture, fitted to the time and circumstances, of the common truths which belong to all religions."

The Hero-lectures, it has been seen, were meant to comprise a sort of spiritual history of Man; in the first lecture Carlyle dealt with the Hero appearing in the form of Divinity; in the second lecture he takes up Hero as Prophet and selects for his theme Muhammad (PBUH), the Prophet of Arabia. What led him to this choice was, as he himself says in the lecture, that he felt 'freest' in speaking of one who was not their own Prophet. Of Christ he could not speak, partly because of his supreme reverence for him, and partly because of his Christian audience, some of whom, he thought, might be much too orthodox.

As said above, throughout the Hero-lectures, Carlyle has been guided by the principle enunciated by DeQuincey—'Not to sympathies 'is not to understand'—and so here too Carlyle sets about his business of interpreting the Life and Work of Muhammad (PBUH) in the spirit of true Hero-worship, and determines to see and say all the good that he can about Muhammad (PBUH) and his Religion; and there is not doubt that regarded from the point of view of a Western and a non-Islamite, this discourse on Muhammad (PBUH) is as true and sympathetic as it can be, especially when it is considered that most of his information was derived by Carlyle second-hand and from prejudiced writers like Gibbon, Muir, Prideaux and Sale (Introduction to his Translation of the Quran). Prof. MacMechan says that even Syed Ameer Ali ranks Carlyle among those, to whom the world owes right ideas regarding Islam.

The following are the most noteworthy points in the Lecture: --

(1) Carlyle's delineation of Muhammad's character:

Here Carlyle has very successfully shown that Muhammad (PBUH) possessed the first requisite of the Heroic Soul viz. Sincerity—(or Insight). Carlyle emphasizes Muhammad (PBUH) power to see into things and his total freedom from 'cant' and 'dilettantism'. He was not a mealy—mouthed man; he believed in giving things straight. Withal, he was deeply earnest—(religiosity was a general Arab virtue). He had also a strong sense of justice, humanity and humour. Carlyle explodes the Imposter-theory regarding Muhammad (PBUH), saying (a) that it is impossible for a man to enter on 'a career of ambition' at the advanced age of fifty—as the Prophet is supposed to have done; (b) again, he was too great a seer to care for earthly rank; (c) the simplicity and frugality of his life also go to disprove the charge of imposture and sensuality urged against him.

(2) In his Exposition of Muhammad (PBUH) Religion Carlyle has especially emphasized what he has deemed to be the cardinal or foundational teaching of 'Islam or Resignation (see P. 53). (b) His interpretation of the second article of the Muslim Faith 'Muhammad (PBUH) is the Prophet of God'—(p.54) is also very fine; (c) Carlyle has also been at pains to show—and successfully to—the falsity of the usual charge against Muhammad (PBUH) religion being sensual; the indulgences, (e.g., in regard to marriage etc.), allowed by him were not of his making; he rather, like a true and practical Reformer, curtailed and limited the indulgences in vogue among the Arabs in his time. Muhammad (PBUH) Prescribed a number of very useful religious practices—such as the Fast, Prayer and Alms-giving etc. (d) In his conception of Heaven and Hell,--the place of reward for good and punishment for evil, respectively—he gives the true notion of the infinite nature of Duty, a corrected view surely than that of the Utilitarians.

(3) Quite a large part of the lecture is taken up with Carlyle's Appreciation of the Quran: He rightly urges that in the translation we miss the beauty of the original and therefore find it long-winded and confused. To the Muhammadan, however it is a book, holy and sacred, to be regarded with great reverence as the standard of all law and practice. This is because the Quran is a true heart-utterance, displaying great 'sincerity of vision.' The clouds, the cattle, the ship, man himself—these phenomena of life, are often referred to in the Quran as the miraculous manifestations of the Divine. Carlyle notices also the rhythmic character of the Quran: Much of it is a 'wild chanting song' and hence its powerful appeal to the Muslims.

(4) Carlyle is not at his best in his Defence of Muhammad (PBUH) propagating his religion by the Sword; much of this defence is weak and disjointed. He refers to the persecutions among the Christian fanatics; but one bad thing does not justify another. This not-withstanding, the whole lecture is a powerful and eloquent Exposition of the Life and Teaching of the great Prophet of Arabia.

=======

THE HERO AS PROPHET. MUHAMMAD (PBUH): ISLAM.

(Friday, 8th May, 1840)

From the first rude times of Paganism among the Scandinavians in the North, we advance to a very different epoch of religion, among a very different people; Muhammadanism among the Arabs. A great change; what a change and progress is indicated here, in the universal condition and thoughts of

men!

The Hero is not now regarded as a God among his fellow-men; but as one God-inspired, as a prophet. It is the second phasis of Hero-worship: the first or oldest, we may say, has passed away without return; in the history of the world there will not again be any man, never so great, whom his fellow-men will take for a god. Nay we might rationally ask, Did any set of human beings ever really think the man they saw there standing beside them a god, the maker of this world? Perhaps not: it was usually some man they remembered, or had seen. But neither can this any more be. The Great Man is not recognized henceforth as a god any more.

It was a rude gross error, that of counting the Great Man a god. Yet let us say that it is at all times difficult to know what he is, or how to account of him and receive him! The most significant feature in the history of an epoch is the manner it has of welcoming a Great Man. Ever, to the true instincts of men, there is something godlike in him. Whether they shall take him to be a god, to be a prophet, or what they shall take him to be? That is ever a grand question; by their way of answering that, we shall see, as through a little window, into the very heart of these men's spiritual condition. For at bottom the Great Man, as he comes from the hand of Nature, is ever the same kind of thing: Odin, Luther, Johnson, Burns; I hope to make it appear that these are all originally of one stuff; that only by the world's reception of them, and the shapes they assume, are they so immeasurably diverse. The worship of Odin astonishes us,--to fall prostrate before the Great Man, into deliquium of love and wonder over him, and feel in their hearts that he was a denizen of the skies, a god! This was imperfect enough: but to welcome, for example, a Burns as we did, was that what we can call perfect? The most precious gift that Heaven can give to the Earth; a man of "genius" as we call it: the Soul of a Man actually sent down from the skies with a God's-message to us—this we waste away as an idle artificial firework, sent to amuse us a little, and sink it into ashes, wreck and ineffectuality: such reception of a Great Man I do not call very perfect either! Looking into the heart of the thing one may perhaps call that of Burns a still uglier phenomenon, betokening still sadder imperfections in mankind's ways, than the Scandinavian method itself! To fall into mere unreasoning deliquium of love and admiration, was not good; but such unreasoning, nay irrational supercilious no-love at all is perhaps still worse!—It is a thing forever changing, this of Hero-worship: different in each age, difficult to do well in any age. Indeed, the heart of the whole business of the age, one may say, is to do it well.

We have chosen Muhammad (PBUH) not as the most eminent Prophet; but as the one we are freest to speak of. He is by no means the truest of Prophets; but I do esteem him a true one. Further, as there is no danger of our becoming, any of us, Muhammad (PBUH), I mean to say all the good of him I justly can. It is the way to get at his secret: let us try to understand what he meant with the world; what the world meant and means with him, will then be a more answerable question. Our current hypothesis about Muhammad (PBUH), that he was a scheming Impostor, a Falsehood incarnate, that his religion is a mere mass of quackery and fatuity, begins really to be now untenable to any one. The lies, which well-meaning zeal has heaped round this man, are disgraceful to ourselves only. When Pococke inquired of Grotius, Where the proof was of that story of the pigeon, trained to pick peas from Muhammad (PBUH) ear, and pass for an angel dictating to him? Grotius answered that there was no proof! It is really time to dismiss all that. The word this man spoke had been the life-guidance now of a hundred-and-eighty millions of men these twelve hundred years. These hundred-and-eighty millions were made by God as well as we. A greater number of God's creatures believe in Muhammad (PBUH) word at this hour than in any other word whatever. Are we to suppose that it was a miserable piece of spiritual legerdemain, this which so many creatures of the Almighty have lived by and died by? I, for my part, cannot form any such supposition. I will believe most things sooner than that. One would be entirely at a loss what to think of this world at all, if quackery so grew and were sanctioned here.

Alas, such theories are very lamentable. If we would attain to knowledge of anything in God's true Creation, let us disbelieve them wholly! They are the product of an Age of Skcpticism; they indicate the saddest spiritual paralysis, and mere death-life of the souls of men: more godless theory, I think, was never promulgated in this Earth. A false man found a religion? Why, a false man cannot build a brick house! If he does not know and follow truly the properties of mortar, burnt clay and what else he works in, it is no house that he makes, but a rubbish-heap. It will not stand for twelve centuries, to lodge a hundred-and-eighty millions; it will fall straightway. A man must conform himself to Nature's laws, be verily in communion with Nature and the truth of things, or Nature will answer him, No, not at all! Speciosities are specious—ah me!—a Cagliostro, many Cagliostros, prominent world-leaders, do prosper by their quackery, for a day. It is like a forged banknote; they get it passed out of their worthless hands: other, not they have to smart for it. Nature bursts-up in fire-flames, French Revolutions and suchlike, proclaiming with terrible veracity that forged notes are forged.

But of a Great Man especially, of him I will venture to assert that it is incredible he should have

been other than true. It seems to me that primary foundation of him, and of all that can lie in him, this. Not Mirabeau, Napoleon, Burns, Cromwell, no man adequate to do anything, but is first of all in right earnest about it; what I call a sincere man. I should say sincerity, a deep, great, genuine sincerity, is the first characteristic of all men in any way heroic. Not the sincerity that calls itself sincere; ah no, that is a very poor matter indeed;--a shallow braggart conscious sincerity; oftenest self-conceit mainly. The Great Man's sincerity is of the kind he cannot speak of, is not conscious of: nay, I suppose, he is conscious rather of insincerity; for what man can walk accurately by the law of truth for one day? No, the Great Man does not boast himself sincere, far from that; perhaps does not ask himself if he is so: I would say rather, his sincerity does not depend on himself; he cannot help being sincere! The great Fact of Existence is great to him. Fly as he will, he cannot get out of the awful presence of this Reality. His mind is so made; he is great by that, first of all. Fearful and wonderful, real as Life, real as death, is this Universe to him. Though all men should forget its truth, and walk in a vain show, he cannot. At all moments the Flame-image glares-in upon him; undeniable, there, there!—I wish you to take this as my primary definition of a Great Man. A little man may have this, it is competent to all men that God has made: but a Great Man cannot be without it.

Such a man is what we call an original man; he comes to us at first-hand. A messenger he, sent from the Infinite Unknown with tidings to us. We may call him Poet, Prophet, God:--in one way or other, we all feel that the words he utters are as no other man's words. Direct from the Inner Fact of things;--he lives, and has to live, in daily communion with that. Hearsays cannot hide it from him; he is blind, homeless, miserable, following hearsays; it glares-in upon him. Really his utterances, are they not a kind of "revelation";--what we must call such for want of some other name? It is from the heart of the world that he comes; he is portion of the primal reality of things. God has made many revelations: but this man too, has not God made him, the latest and newest of all? The "inspiration of the Almighty giveth him understanding:" we must listen before all to him.

This Muhammad (PBUH), then, we will in no wise consider as an Inanity and Theatricality, a poor conscious ambitious schemer; we cannot conceive him so. The rude message he delivered was a real one withal; an earnest confused voice from the unknown Deep. The man's words were not false, nor his workings here below; no Inanity and Simulacrum; a fiery mass of Life cast-up from the great bosom of Nature herself. To kindle the world; the world's Maker had ordered it so. Neither can the faults, imperfections, insincerities even, of Muhammad (PBUH), if such were never so well proved against him, shake this primary fact about him.

On the whole, we make too much of faults; the details of the business hide the real centre of it. Faults? The greatest of faults, I should say, is to be conscious of none. Readers of the Bible above all, one would think, might know better. Who is called there "the man according to God's own heart"? David, the Hebrew King, had fallen into sins enough; blackest crimes; there was no want of sins. And thereupon the unbelievers sneer and ask, Is this your man according to God's heart? The sneer, I must say, seems to me but a shallow one. What are faults, what are the outward details of a life; if the inner secret of it, the remorse, temptations, true, often-baffled, never-ended struggle of it, be forgotten? "It is not in man that walketh to direct his steps." Of all acts, is not, for a man, repentance the most divine? The deadliest sin, I say, were that same supercilious consciousness of no sin;--that is death; the heart so conscious is divorced from sincerity, humility and fact; is dead: it is "pure" as dead dry sand is pure. David's life and history, as written for us in those Psalms of his, I consider to be the truest emblem ever given of a man's moral progress and warfare here below. All earnest souls will ever discern in it the faithful struggle of an earnest human soul towards what is good and best. Struggle often baffled, sore baffled, down as into entire wreck; yet a struggle never ended; ever, with tears, repentance, true unconquerable purpose, begun anew. Poor human nature! Is not a man's walking, in truth, always that: "a succession of falls"? Man can do no other. In this wild element of a Life, he has to struggle onwards; now fallen, deep-abased; and ever, with tears, repentance, with bleeding heart, he has to rise again, struggle again still onwards. That his struggle be a faithful unconquerable one: that is the question of questions. We will put-up with many sad details, if the soul of it were true. Details by themselves will never teach us what it is. I believe we misestimate Muhammad faults even as faults: but the secret of him will never be got by dwelling there. We will leave all this behind us; and assuring ourselves that he did mean some true thing, ask candidly what it was or might be.

These Arabs Muhammad (PBUH) was born among are certainly a notable people. Their country itself is notable; the fit habitation for such a race. Savage inaccessible rock-mountains, great grim deserts, alternating with beautiful strips of verdure: wherever water is, there is greenness, beauty; odoriferous balm-shrubs, date-trees, frankincense-trees. Consider that wide waste horizon of sand, empty, silent, like a sand-sea, dividing habitable place from habitable. You are all alone there, left alone with the Universe; by day a fierce sun blazing down on it with intolerable radiance; by night the great deep Heaven with its stars. Such a country is fit for a swift-handed, deep-hearted race of men. There is something most agile, active, and yet most meditative, enthusiastic in the Arab character. The Persians

are called the French of the East; we will call the Arabs Oriental Italians. A gifted noble people; a people of wild strong feelings, and of iron restraint over these: the characteristic of noble mindedness, of genius. The wild Bedouin welcomes the stranger to his tent, as one having right to all that is there; were it his worst enemy, he will slay his foal to treat him, will serve him with sacred hospitality for three days, will set him fairly on his way;--and then, by another law as sacred, kill him if he can. In words too, as in action. They are not a loquacious people, taciturn rather; but eloquent, gifted when they do speak. An earnest, truthful kind of men. They are, as we know, of Jewish kindred: but with that deadly terrible earnestness of the Jews they seem to combine something graceful, brilliant, which is not Jewish. They had "Poetic contests" among them before the time of Muhammad (PBUH). Sale says, at Ocadah, in the South of Arabia, there were yearly fairs, and there, when the merchandising was done, Poets sang for prize:--the wild people gathered to hear that.

One Jewish quality these Arabs manifest; the outcome of many or of all high qualities; what we may call religiosity. From of old they had been zealous worshippers, according to their light. They worshipped the stars, as Sabeans; worshipped many natural objects,--recognized them as symbols, immediate manifestations, of the Marker of Nature. It was wrong; and yet not wholly wrong. All God's works are still in a sense symbols of God. Do we not, as I urged, still account it a merit to recognize a certain inexhaustible significance, "poetic beauty" as we name it, in all natural objects whatsoever? A man is a poet, and honoured, for doing that, and speaking or singing it,--a kind of diluted worship. They had many Prophets, these Arabs; Teachers each to his tribe, each according to the light he had. But indeed, have we not from of old the noblest of proofs, still palpable to every one of us, of what devoutness and noble mindedness had dwelt in these rustic thoughtful peoples? Biblical critics seem agreed that our own Book of Job was written in that region of the world. I call that, apart from all theories about it, one of the grandest things ever written with pen. One feels, indeed, as if it were not Hebrew; such a noble universality, different from noble patriotism or sectarianism, reigns in it. A noble Book; all men's Book! It is our first, oldest statement of the never-ending Problem,--man's destiny, and God's ways with him here in this earth. And all in such free flowing outlines; grand in its sincerity, in its simplicity; in its epic melody, and repose of reconcilement. Thee is the seeing eye, the mildly understanding heart. So true everyway; true eyesight and vision for all things; material things no less than spiritual the Horse,--"hast thou clothed his neck with thunder?"—he "laughs at the shaking of the spear!" Such living likeness were never since drawn. Sublime sorrow, sublime reconciliation; oldest choral melody as of the heart of mankind;--so soft,

and great; as the summer midnight, as the world with its seas and stars! There is nothing written, I think, in the Bible or out of it, of equal literary merit.—

To the idolatrous Arabs one of the most ancient universal objects of worship was that Black Stone, still kept in the building Called Caabah at Mecca. Diodorus Siculus mentions this Caabah in a way not to be mistaken, as the oldest, most honoured temple in his time; that is some half-century before our Era. Silvestre de Sacy says there is some likelihood that the Black Stone is an aerolite. In that case, some man might see it fall out of Heaven! It stands now beside the Well Zamzam the Caabah is built over both. A Well is in all places a beautiful affecting object, gushing out like life from the hard earth;--still more so in those hot dry countries, where it is the first condition of being. The Well Zamzam has its name from the bubbling sound of the waters, zamzam; they think it is the Well which Hagar found with her little Ishmael in the wilderness: the aerolite and it have been sacred now, and had a Caabah over them, for thousands of years. A curious object, that Caabah! There it stands at this hour, in the black cloth-covering the Sultan sends it yearly; "twenty-seven cubits high;" with circuit, with double circuit of pillars, with festoon-rows of lamps and quaint ornaments: the lamps will be lighted again this night,--to glitter again under the stars. An authentic fragment of the oldest Past. It is the Keblah of all Muslim: from Delhi all onwards to Morocco, the eyes of innumerable praying men are turned towards it, five times, this day and all days: one of the notablest centres in the Habitation of Men.

It had been from the sacredness attached to this Caabah Stone and Hagar's Well, from the pilgrimings of all tribes of Arabs thither, that Mecca took its rise as a Town. A great town once, though much decayed now. It has no natural advantage for a town; stands in a sandy hollow amid bare barren hills, at a distance from the sea; to provisions, its very bread, have to be imported. But so many pilgrims needed lodgings: and then all places of pilgrimage do, from the first, become places of trade. The first day pilgrims meet, merchants have also met: where men see themselves assembled for one object, they find that they can accomplish other objects which depend on meeting together. Mecca became the Fair of all Arabia. And thereby indeed the chief staple and warehouse of whatever Commerce there was between the Indian and the Western countries, Syria, Egypt, even Italy. It had at one time a population of 100,000; buyers, forwarders of those Eastern and Western products; importers for their own behoof of provisions and corn. The government was a kind of irregular aristocratic republic, not without a touch of theocracy. Ten Men of a chief tribe, chosen in some rough way, were Governors of Mecca, and Keepers of the Caabah. The Koreish were the chief tribe in Muhammad (PBUH) time; his own family was of that tribe.

The rest of the Nation, fractioned and cut-asunder by deserts, lived under similar rude patriarchal governments by one or several: herdsmen, carriers, traders, generally robbers too; being oftenest at war one with another, or with all: held together by no open bond, if it were not this meeting at the Caabah, where all forms of Arab Idolatry assembled in common adoration;--held mainly by the inward indissoluble bond of a common blood and language. In this way had the Arabs lived for long ages, unnoticed by the world; a people of great qualities, unconsciously waiting for the day when they should become notable to all the world. Their Idolatries appear to have been in a tottering state; much was getting into confusion and fermentation among them. Obscure tidings of the most important Event ever transacted in this world, the Life and Death of the Divine Man in Judea, at once the symptom and cause of immeasurable change to all people in the world, had in the course of centuries reached into Arabia too; and could not but, of itself, have produced fermentation there.

It was among this Arab people, so circumstanced, in the year 570 of our Era, that the man Muhammad (PBUH) was born. He was of the family of Hashem, of the Koreish tribe as we said; though poor, connected with the chief persons of his country. Almost at his birth he lost his Father; at the age of six years his mother too, a woman noted for her beauty, her worth and sense: he fell to the charge of his Grandfather, an old man, a hundred years old A good old man: Muhammad (PBUH) Father, Abdullah, had been his youngest favourite son. He saw in Muhammad (PBUH), with his old life-worn eyes, a century old, the lost Abdullah come back again, all that was left of Abdullah. He loved the little orphan Boy greatly; used to say, They must take care of that beautiful little Boy, nothing in their kindred was more precious than he. At his death, while the boy was still but two years old, he left him in charge to Abu Taaleb the eldest of the Uncles, as to him that now was head of the house. By this Uncle, a just and rational man as everything betokens, Muhammad (PBUH) was brought-up in the best Arab way.

Muhammad (PBUH), as he grew up, accompanied his Uncle on trading journeys and suck like; in his eighteenth year one finds him a fighter following his Uncle in war. But perhaps the most significant of all his journeys is one we find noted as of some years' earlier date: a journey to the Fairs of Syria. The young man here first came in contact with a quite foreign world;--with one foreign element of endless moment to him: the Christian Religion. I know not what to make of that "Sergius, the Nestorian Monk," whom Abu Taaleb and he are said to have lodged with; or how much any monk could have taught one still so young. Probably enough it is greatly exaggerated, this of the Nestorian Monk. Muhammad (PBUH) was only fourteen; had no language but his own: much in Syria must have been a strange unintelligible whirlpool to

him. But the eyes of the lad were open; glimpses of many things would doubtless be taken-in, and lie very enigmatic as yet, which were to ripen in a strange way into views, into beliefs and insights one day. These journeys to Syria were probably the beginning of much to Muhammad (PBUH).

One other circumstance we must not forget: that he had no school-learning; of the thing we call school-learning none at all. The art of writing was but just introduced into Arabia; it seems to be the true opinion that Muhammad (PBUH) never could write! Life in the Desert, with its experiences, was all his education. What of this infinite Universe he, from his dim place, with his own eyes and thoughts, could take in, so much and no more of it was he to know. Curious, if we will reflect on it, this of having no books. Except by what he could see for himself, or hear of by uncertain rumour of speech in the obscure Arabian Desert, he could know nothing. The wisdom that had been before him or at a distance from him in the world, was in a manner as good as not there for him. Of the great brother souls, flame-beacons through so many lands and times, no one directly communicates with this great soul. He is alone there, deep down in the bosom of the Wilderness; has to grow up so,--alone with Nature and his own thoughts.

But, from an early age, he had been remarked as a thoughtful man. His companions named him "Al Amin, The Faithful." A man of truth and fidelity; true in what he did, in what he spoke and thought. They noted that he always meant something. A man rather taciturn in speech; silent when there was noting to be said; but pertinent, wise, sincere, when he did speak; always throwing light on the matter. This is the only sort of speech worth speaking! Through life we find him to have been regarded as an altogether solid, brotherly, genuine man. A serious, sincere character; yet amiable, cordial, companionable, jocose even;--a good laugh in him withal: there are men whose laugh is as untrue as anything about them; who cannot laugh. One hears of Muhammad (PBUH) beauty: his fine sagacious honest face, brown florid complexion, beaming black eyes;--I somehow like too that vein on the brow, which swelled-up black when he was in anger: like the "horse-shoe vein" in Scott's Redgauntlet. It was a kind of feature in the Hashem family, this black swelling vein in the brow; Muhammad (PBUH) had it prominent, as would appear. A spontaneous, passionate, yet just, true-meaning man! Full of wild faculty, fire and light; of wild worth, all uncultured; working out his life-takes in the depths of the Desert there.

How he was placed with Khadijah, a rich Widow, as her Steward, and travelled in her business, again to the Fairs of Syria; how he managed all, as one can well understand, with fidelity, adroitness; how her gratitude, her regard for him, grew: the story of their marriage is altogether a graceful intelligible one,

as told us by the Arab authors. He was twenty-five; she forty, though still beautiful. He seems to have lived in a most affectionate, peaceable, wholesome way with this wedded benefactress; loving her truly, and her alone. It goes greatly against the impostor theory, the fact that he lived in this entirely unexceptionable, entirely quiet and commonplace way, till the heat of his years was done. He was forty before he talked of any mission from Heaven. All his irregularities, real and supposed, date from after his fiftieth year, when the good Khadijah dies. All his "ambition," seemingly, had been, hitherto, to live an honest life; his "fame," the mere good opinion of neighbours that knew him, had been sufficient hitherto. Not till he was already getting old, the prurient heat of his life all burnt out, and peace growing to be the chief thing this world could give him, did he start on the "career" of ambition;" and, belying all his past character and existence, set-up as a wretched empty charlatan to acquire what he could now no longer enjoy! For my share, I have no faith whatever in that.

Ah no: this deep-hearted Son of the Wilderness, with his beaming black eyes and open social deep soul, had other thoughts in him than ambition. A silent great soul; he was one of those who cannot but be in earnest; whom Nature herself has appointed to be sincere. While others walk in formulas and hearsays, contented enough to dwell there, this man could not screen himself in formulas; he was alone with his own soul and the reality of things. The great Mystery of Existence, as I said, glared-in upon him, with its terrors, with its splendours; no hearsays could hide that unspeakable fact, "Here am I!" Such sincerity as we named it, has in very truth something of divine. The word of such a man is a Voice direct from Nature's own Heart. Men do and must listen to that as to nothing else;--all else is wind in comparison. From of old, a thousand thoughts, in his pilgrimings and wanderings, had been in this man: What am I? What is this unfathomable Thing I live in, which men name Universe? What is Life; what is Death? What am I to believe? What am I to do? The grim rocks of Mount Hara, of Mount Sinai, the stern sandy solitudes answered not. The great Heaven rolling silent overhead, with its blue-glancing stars, answered not. There was no answer. The man's own soul, and what of God's inspiration dwelt there, had to answer!

It is the thing which all men have to ask themselves; which we too have to ask, and answer. This wild man felt it to be of infinite moment; all other things of no moment whatever in comparison. The jargon of argumentative Greek Sects, vague traditions of Jews, the stupid routine of Arab Idolatry: there was no answer in these. A Hero, as I repeat, has this first distinction, which indeed we may call first and last, the Alpha and Omega of his whole Heroism, That he looks through the shows of things into things. Use and want, respectable hearsay, respectable formula: all these are good, or are not good. There is something

behind and beyond all these, which all these must correspond with, be image of, or they are—Idolatries: "bits of black wood pretending to be God;" to the earnest soul a mockery and abomination. Idolatries never so gilded, waited on by heads of the Koreish, will do nothing for this man. Though all men walk by them, what good is it? The great Reality stands glaring there upon him. He there has to answer it, or perish miserably. Now, even now, or else through all Eternity never! Answer it; thou must find an answer. —Ambition? What could all Arabia do for this man; with the crown of Greek Heraclius, of Persian Chosroes, and all crowns in the Earth;--what could they all do for him? It was not of the Earth he wanted to here tell; it was of the Heaven above and of the Hell beneath. All crowns and sovereignties whatsoever, where would they in a few brief years be? To be Sheik of Mecca or Arabia, and have a bit of gilt wood put into your hand,--will that be one's salvation? I decidedly think, not. We will leave it altogether, this impostor hypothesis, as not credible; not very tolerable even, worthy chiefly of dismissal by us.

Muhammad (PBUH) had been wont to retire yearly, during the month Ramadhan, into solitude and silence; as indeed was the Arab custom; a praiseworthy custom, which such a man, above all, would find natural and useful. Communing with his own heart, in the silence of the mountains; himself silent; open to the "small still voices:" it was a right natural custom! Muhammad (PBUH) was in his fortieth year, when having withdrawn to a cavern in Mount Hara, near Mecca, during this Ramadhan, to pass the month in prayers, and meditation on those great questions, he one day told his wife Khadijah, who with his household was with him or near him this year, That by the unspeakable special favour of Heaven he had now found it all out; was in doubt and darkness no longer, but saw it all. That all these Idols and Formulas were nothing, miserable bits of wood; that there was One God in and over all; and we must leave all Idols, and look to Him. That God is great; and that there is nothing else great! He is the Reality. Wooden Idols are not real; He is real. He made us at first, sustains us yet; we and all things are but the shadow of Him; a transitory garment veiling the Eternal Splendour. "Allah-o-akbar God is great;"—and then also "Islam," That we must submit to God. That our whole strength lies in resigned submission to Him, whatsoever He do to us. For this world, and for the other! The think He sends to us, were it death and worse than death, shall be good, shall be best; we resign ourselves to God.—"If this be Islam," says Goethe, "do we not all live in Islam?" Yes, all of us that have any moral life; we all live so. It has ever been held the highest wisdom for a man not merely to submit to Necessity,--Necessity will make him submit,--but to know and believe well that the stern thing which Necessity had ordered was the wisest, the best, the thing wanted there. To cease his frantic pretension of scanning this great God's-World in his small fraction of a brain; to know that

it had verily, though deep beyond his soundings, a Just Law, that the soul of it was Good;--that his part in it was to conform to the Law of the Whole, and in devout silence follow that; not questioning it, obeying it as unquestionable.

I say, this is yet the only true morality known. A man is right and invincible, virtuous and on the road towards sure conquest, precisely while he joins himself to the great deep Law of the World, in spite of all superficial laws, temporary appearances, profit-and-loss calculations; he is victorious while he cooperates with that great central Law, not victorious otherwise:--and surely his first chance of cooperating with it, or getting into the course of it, is to know with his whole soul that it is; that it is good, and alone good! This is the soul of Islam; it is properly the soul of Christianity;--for Islam is definable as a confused form of Christianity; had Christianity not been, neither had it been. Christianity also commands us, before all, to be resigned to God. We are to take no counsel with flesh-and-blood; give ear to no vain cavils, vain sorrows and wishes: to know that we know nothing; that the worst and cruelest to our eyes is not what it seems; that we have to receive whatsoever befalls us as sent from God above, and say, It is good and wise, God is great! "Though He slay me, yet will I trust in Him." Islam means in its way Denial of Self, Annihilation of Self. This is yet the highest Wisdom that Heaven has revealed to our Earth. Such light had come, as it could, to illuminate the darkness of this wild Arab soul. A confused dazzling splendour as of life and Heaven, in the great darkness which threatened to be death: he called it revelation and the angel Gabriel; who of us yet can know what to call it? It is the "inspiration of the Almighty that giveth us understanding." To know; to get into the truth of anything, is ever a mystic act,--of which the best Logics can but babble on the surface. "Is not Belief the true god-announcing Miracle?" says Novalis.—That Muhammad (PBUH) whole soul, set in flame with this grand Truth vouchsafed him, should feel as if it were important and the only important thing, was very natural. That Providence had unspeakably honoured him by revealing it, saving him from death and darkness; that he therefore was bound to make known the same to all creatures: this is what was meant by "Muhammad (PBUH) is the Prophet of God;" this too is not without its true meaning.—

The good Khadijah, we can fancy, listened to him with wonder, with doubt: at length she answered: Yes, it was true this that he said. One can fancy too the boundless gratitude of Muhammad (PBUH); and how of all the kindnesses she had done him, this of believing the earnest struggling word he now spoke was the greatest. "It is certain," says Novalis, "my Conviction gains infinitely, the moment another soul will believe in it.' It is a boundless favour.—He never forgot this good Khadijah. Long

afterwards, Ayesha his young favourite wife, a woman who indeed distinguished herself among the Moslem, by all manner of qualities, through her whole long life; this younger brilliant Ayesha was, one day, questioning him; "Now am not I better than Khadijah? She was a widow; old, and had lost her looks; you love me better than you did her?"—"No, by Allah!" answered Muhammad (PBUH); "No by Allah! She believed in me when none else would believe. In the whole world I had but one friend, and she was that!"—Zaid, his Slave, also believed in him; these with his young Cousin Ali, Abu Taaleb's son, were his first converts.

He spoke of his Doctrine to this man and that; but the most treated it with ridicule, with indifference; in three years, I think, he had gained but thirteen followers. His progress was slow enough. His encouragement to go on, was altogether the usual encouragement that such a man in such a case meets. After some three yeas of small success, he invited forty of his chief kindred to an entertainment; and there stood up and told them what his pretension was: that he had this thing to promulgate abroad to all men; that it was the highest thing, the one thing: which of them would second him in that? Amid the doubt and silence of all, young Ali, as yet a lad of sixteen, impatient of the silence, started-up, and exclaimed in passionate fierce language, That he would! The assembly, among whom was Abu Taaleb, Ali's Father, could not be unfriendly to Muhammad (PBUH); yet the sight there, of one unlettered elderly man, with a lad of sixteen, deciding on such an enterprise against all mankind, appeared ridiculous to them: the assembly broke-up in laughter. Nevertheless it proved not a laughable thing; it was a very serious thing! As for this young Ali, one cannot but like him. A noble-minded creature, as he shows himself, now and always afterwards; full of affection, of fiery daring. Something chivalrous in him; brave as a lion; yet with a grace, a truth and affection worthy of Christian knighthood. He died by assassination in the Mosque at Baghdad; a death occasioned by his own generous fairness, confidence in the fairness of others: he said, If the wound proved not unto death, they, must pardon the Assassin; but if it did, then they must slay him straight way, that so they two in the same hour might appear before God, and see which side of that quarrel was the just one!

Muhammad (PBUH) naturally gave offence to the Koreish, Keepers of the Caabah, superintendents of the Idols. One or two men of influence had joined him: the thing spread slowly, but it was spreading. Naturally he gave offence to everybody: Who is this that pretends to be wiser than we all; that rebukes us all, as mere fools and worshippers of wood! Abu Taaleb, the good Uncle spoke with him: Could he not be silent about all that; believe it all for himself and not trouble others, anger the chief men,

endanger himself and them all, talking of it? Muhammad (PBUH) answered: If the Sun stood on his right hand and the Moon on his left, ordering him to hold his peace, he could not obey! No: there was something in this Truth he had got which was of Nature herself; equal in rank to Sun, or Moon, or whatsoever thing Nature had made. It would speak itself there, so long as the Almighty allowed it, in spite of Sun and Moon and all Koreish and all men and things. It must do that, and could do no other. Muhammad (PBUH) answered so; and, they say, "burst into tears." Burst into tears: he felt that Abu Taaleb was good to him; that the task he had got was no soft, but a stern and great one.

He went on speaking to who would listen to him! publishing his Doctrine among the pilgrims as they came to Mecca; gaining adherents in this place and that. Coutinual contradiction, hatred, open or secret danger attended him. His powerful relations projected Muhammad (PBUH) himself; but by and by, on his own advice, all his adherents had to quit Mecca, and seek refuge in Abyssinia over the sea. The Koreish grew ever angrier; laid plots, and swore oaths among them, to put Muhammad (PBUH) to death with their own hands. Abu Taaleb was dead, the good Khadijah was dead. Muhammad (PBUH) is not solicitous of sympathy from us; but his outlook at this time was one of the dismallest. He had to hide in caverns, escape in disguise; fly hither and thither; homeless, in continual peril of his life. More than once it seemed all-over with him; more than once it turned on a straw, some rider's horse taking fright or the like, whether Muhammad (PBUH) and his Doctrine had not ended there, and not been heard of at all. But it was not to end so.

In the thirteenth year of his mission, finding his enemies all banded against him, forty sworn men, one out of every tribe, waiting to take his life, and no continuance possible at Mecca for him any longer, Muhammad (PBUH) fled to the place then called Yasrab, where he had gained some adherents; the place they now call Madina, or "Madinat-ul-Nabi, the City of the Prophet," from that circumstance. It lay some 200 miles off, through rocks and deserts; not without great difficulty, in such mood as we may fancy, he escaped thither, and found welcome. The whole East dates its era from this Flight, Hegira as they name it: the Year 1 of this Hegira is 622 of our Era, the fifty-third of Muhammad (PBUH) life. He was now becoming an old man; his friends sinking round him one by one: his path desolate, encompassed with danger: unless he could find hope in his own heart, the outward face of things was but hopeless for him. It is so with all men in the like case: Hitherto Muhammad (PBUH) had professed to publish his Religion by the way of preaching and persuasion alone. But now, driven foully out of his native country, since unjust men had not only given no ear to his earnest Heaven's-message, the deep cry of his heart, but would not even let him

live if he kept speaking it,--the wild Son of the Desert resolved to defend himself, like a man and Arab. If the Koreish will have it so, they shall have it. Tidings, felt to be of infinite moment to them and all men, they would not listen to these; would trample them down by sheer violence, steel and murder: well, let steel try it then! Ten years more this Muhammad (PBUH) had: all of fighting, of breathless impetuous toil and struggle; with what result we know.

Much has been said of Muhammad (PBUH) propagating his Religion by the sword. It is no doubt far nobler what we have to boast of the Christian Religion, that it propagated itself peaceably in the way of preaching and conviction. Yet withal, if we take this or an argument of the truth or falsehood of a religion, there is a radical mistake in it. The sword indeed; but where will you get your sword! Every new opinion, at its starting, is precisely in a minority of one. In one man's head alone, there it dwells as yet. One man alone of the whole world believes it; there is one man against all men. That he take a sword, and try to propagate with that, will do little for him. You must first get your sword! On the whole, a thing will propagate itself as it can. We do not find, of the Christian Religion either, that it always disdained the sword, when once it had got one. Charlemagne's conversion of the Saxons was not by preaching. I care little about the sword; I will allow a thing to struggle for itself in this world, with any sword or tongue or implement it has, or can lay hold of. We will let it preach and pamphleteer, and fight, and to the uttermost bestir itself, and do, beak and claws, whatsoever is in it; very sure that it will, in the long-run conquer nothing which does not deserve to be conquered. What is better than itself, it cannot put away, but only what is worse. In this great Duel, Nature herself is umpire, and can do not wrong: the thing which is deepest-rooted in Nature, what we call truest, that thing and not the other will be found growing at last.

Here however, in reference to much that there is in Muhammad (PBUH) and his success, we are to remember what an umpire Nature is; what a greatness, composure of depth and tolerance there is in her. You take wheat to cast into the Earth's bosom: your wheat may be mixed with chaff, chopped straw, barn-sweepings, dust and all imaginable rubbish; no matter; you cast it into the kind just Earth; she grows the wheat—the whole rubbish she silently absorbs, shrouds it in, says nothing of the rubbish. The yellow wheat is growing there; the good Earth is silent about all the rest,--has silently turned all the rest to some benefit too, and makes no complaint about it! So everywhere in Nature! She is true and not a lie; and yet so great, and just, and motherly in her truth. She requires of a thing only that it be genuine of heart; she will protect it if so; will not, if not so. There is a soul of truth in all the things she ever gave harbour to. Alas, is not this the history of all highest Truth that comes or ever came into the world? The body of them all is

imperfection, an element of light in darkness: to us they have to come embodied in mere Logic, in some merely scientific Theorem of the Universe; which cannot be complete; which cannot but be found, one day, in-complete, erroneous, and so die and disappear. The body of all Truth dies; and yet in all, I say, there is a soul which never dies; which in new and ever-nobler embodiment lives immortal as man himself! It is the way with Nature. The genuine essence of Truth never dies. That it be genuine, a voice from the great Deep of Nature, there is the point at Nature's judgment-seat. What we call pure or impure, is not with her the final question. Not how much chaff is in you; but whether you have any wheat. Pure? I might say to many a man: Yes, you are pure; pure enough; but you are chaff,--insincere hypothesis, hearsay, formality; you never were in contact with the great heart of the Universe at all; you are properly neither pure nor impure; you are nothing, Nature has no business with you.

Muhammad (PBUH) Creed we called a kind of Christianity; and really if we look at the wild rapt earnestness with which it was believed and laid to heart, I should say a better kind than that of those miserable Syrian Sects, with their vain janglings about Homoiousion and Homoousion, the head full of worthless noise, the heat empty and dead! The truth of it is embedded in portentous error and falsehood; but the truth of it makes it be believed, not the falsehood: it succeeded by its truth. A bastard kind of Christianity, but a living kind; with a heart-life in it; not dead, chopping barren logic merely! Out of all that rubbish of Arab Idolatries, argumentative theologies, traditions, subtleties, rumours and hypotheses of Greeks and Jews, with their idle wiredrawings, this wild man of the Desert, with his wild sincere heart, earnest as death and life, with his great flashing natural eyesight, had seen into the kernal of the matter. Idolatry is nothing: these Wooden Idols of yours, "ye rub them with oil, and wax, and the flies stick on them,"—these are wood, I tell you! They can do nothing for you; they are an impotent blasphemous pretence; a horror and abomination, if ye knew them. God alone is; God alone has power; He made us, He can kill us and keep us alive: "Allah-o-akbar, God is great." Understand that His will is the best for you; that howsoever sore to flesh-and-blood, you will find it the wisest, best: you are bound to take it so; in this world and in the next, you have no other thing that you can do!

And now if the wild idolatrous men did believe this, and with their fiery hearts laid hold of it to do it, in what form soever it came to them, I say it was well worthy of being believed. In one form or the other, I say it is still the one thing worthy of being believed by all men. Man does hereby become the high-priest of this Temple of a World. He is in harmony with the Decrees of the Author of this World; cooperating with them, not vainly withstanding them: I know, to this day, no better definition of Duty than

that same. All that is right includes itself in this of cooperating with the real Tendency of the World; you succeed by this (the World's Tendency will succeed), you are good, and in the right course there. Homoiousion, Homoousion, vain logical jangle, then or before or at any time, may jangle itself out, and go whither and how it likes: this is the thing it all struggles to mean, if it would mean anything. If it do not succeed in meaning this, it means nothing. Not that Abstractions, logical Proposition, be correctly worded or incorrectly; but that living concrete Sons of Adam do lay this to heart: that is the important point. Islam devourced all these vain jangling Sects; and I think had right to do so. It was a Reality, direct from the great Heart of Nature once more. Arab idolatries, Syrian formulas, whatsoever was not equally real, had to go up in flame,--mere dead fuel, in various senses, for this which was fire.

It was during these wild warfarings and strugglings, especially after the Flight to Mecca, that Muhammad (PBUH) dictated at intervals his Sacred Book, which they name Quran, or Reading, "Thing to be read." This is the Work he and his disciples made so much of, asking all the world, Is not that a miracle? The Muhammad (PBUH) regard their Quran with a reverence which few Christians pay even to their Bible. It is admitted everywhere as the standard of all law and all practice; the thing to be gone-upon in speculation and life: the message sent direct out of Heaven, which this Earth has to conform to, and walk by; the thing to be read. Their Judges decide by it; all Moslem are bound to study it, seek in it for the light of their life. They have mosques where it is all read daily; thirty relays of priests take it up in succession, get through the whole each day. There, for twelve-hundred years, has the voice of this Book, at all moments kept sounding through the ears and the hearts of so many men. We hear of Muhammad (PBUH)an Doctors that had read it seventy-thousand times!

Very curious: if one sought for "discrepancies of national taste," here surely were the most eminent instance of that! We also can read the Quran; our Translation of it, by Sale, is known to be a very fair one. I must say, it is as toilsome reading as I ever undertook. A wearisome confused jumble, crude, incondite; endless iterations, long-windedness, entanglement; most crude, incoundite;--insupportable stupidity, in short! Nothing but a sense of duty could carry any European through the Quran. We read in it, as we might in the State-Paper Office, unreadable masses of lumber, that perhaps we may get some glimpses of a remarkable man. It is true we have it under disadvantages: the Arabs see more method in it than we. Muhammad (PBUH) followers found the Quran lying all in fractions, as it had been written-down at first promulgation; much of it, they say, on shoulder-blades of mutton, flung pell-mell into a chest: and they published it, without any discoverable order as to time or otherwise—merely trying, as would seem,

and this not very strictly, to put the longest chapters first. The real beginning of it, in that way, lies almost at the end: for the earliest portions were the shortest. Read in its historical sequence it perhaps would not be so bad. Much of it, too, they say, is rhythmic; a kind of wild chanting song, in the original. This may be a great point; much perhaps has been lost in the Translation here. Yet with every allowance, one feels it difficult to see how any mortal every could consider this Quran as a Book written in Heaven, too good for the Earth; as a well-written book, or indeed as a book at all; and not a bewildered rhapsody; written, so far as writing goes, as badly as almost any book ever was! So much for national discrepancies, and the standard of taste.

Yet I should say, it was not unintelligible how the Arabs might so love it. When once you get this confused coil of a Quran fairly off your hands, and have it behind you at a distance, the essential type of it begins to disclose itself; and in this there is a merit quite other than the literary one. If a book come from the heart, it will contrive to reach other hearts; all art and author craft are of small amount to that. One would say the primary character of the Quran is that of his genuineness, of its being a bonafide book. Prideaux, I know, and others have represented it as a mere bundle of juggleries; chapter after chapter got-up to excuse and varnish the author's successive sins, forward his ambitions and quackeries: but really it is time to dismiss all that. I do not assert Muhammad (PBUH) continual sincerity: who is continually sincere? But I confess I can make nothing of the critic, in these times, who would accuse him of deceit prepense; of conscious deceit generally, or perhaps at all;--still more, of living in a mere element of conscious deceit, and writing this Quran as a forger and juggler would have done! Every candid eye, I think, will read the Quran far otherwise than so. It is the confused ferment of a great rude human soul; rude, untutored, that cannot even read; but fervent, earnest, struggling vehemently to utter itself in words. With a kind of breathless intensity he strives to utter himself; the thoughts crowd on him pell-mell; for very multitude of things to say, he can get nothing said. The meaning that is in him shapes itself into no form of composition, is stated in no sequence, method, or coherence;--they are not shaped at all, these thoughts of his; flung-out unshaped, as they struggle and tumble there, in their chaotic inarticulate state. We said "stupid": yet natural stupidity is by no means the character of Muhammad (PBUH) Book; it is natural uncultivation rather. The man has not studied speaking; in the haste and pressure of continual fighting, has not time to mature himself into fit speech. The panting breathless haste and vehemence of a man struggling in the thick of battle for life and salvation; this is the mood he is in! A headlong haste; for very magnitude of meaning, he cannot get himself articulated into words. The successive utterances of a

soul in that mood, coloured by the various vicissitudes of three-and-twenty years; now well uttered, now worse: this is the Quran.

For we are to consider Muhammad (PBUH), through these three-and-twenty years, as the center of a world wholly in conflict. Battles with the Koreish and Heathen, quarrels among his own people, backslidings of his own wild heart; all this kept him in a perpetual whirl, his soul knowing rest no more. In wakeful nights, as one may fancy, the wild soul of the man tossing amid these vortices, would hail any light of a decision for them as a veritable light from Heaven; any making-up of his mind, so blessed, indispensable for him there, would seem the inspiration of a Gabriel. Forger and juggler? No, no! This great fiery heart, seething, simmering like a great furnace of thoughts, was not a juggler's. His life was a Fact to him; this God's Universe an awful Fact and Reality. He has faults enough. The man was an uncultured semi-barbarous Son of Nature, much of the Bedouin still clinging to him: we must take him for that. But for a wretched Simulacrum, a hungry Impostor without eyes or heart, practicing for a mess of pottage such blasphemous swindlery, forgery of celestial documents, continual high-treason against his Maker and Self, we will not and cannot take him.

Sincerity, in all senses, seems to me the merit of the Quran; what had rendered it precious to the wild Arab men. It is, after all, the first and last merit in a book; gives rise to merits of all kinds,--nay, at bottom, it alone can give rise to merit of any kind. Curiously, through these incondite masses of tradition, vituperation, complaint, ejaculation in the Quran, a vain of true direct insight, of what we might almost call poetry, is found struggling. The body of the Book is made-up of mere tradition, and as it were wehement enthusiastic extempore preaching. He returns forever to the old stories of the Prophets as they went current in the Arab memory; how Prophet after Prophet, the Prophet Abraham, the Prophet Hud, the Prophet Moses, Christian and other real and fabulous Prophets, had come to this Tribe and to that, warning men of their sin; and been received by them even as he Muhammad (PBUH) was,--which is a great solace to him. These tings he repeats ten, perhaps twenty times; again and ever again, with wearisome iteration; has never done repeating them. A brave Samuel Johnson, in his forlorn garret, might con-over the Biographies of Authors in that way! This is the great staple of the Quran. But curiously, through all this, comes ever and anon some glance as of the real thinker and seer. He has actually an eye for the world, this Muhammad (PBUH): with a certain directness and rugged vigour, he brings home still, to our heart, the thing his own heart has been opened to. I make but little of his praises of Allah, which many praise; they are borrowed I suppose mainly from the Hebrew, at least they are far surpassed there. But the eye that

flashes direct into the heart of things, and sees the truth of them; this is to me a highly interesting object. Great Nature's own gift; which she bestows on all; but which only one in the thousand does not cast sorrowfully away: it is what I call sincerity of vision; the test of a sincere heart.

Muhammad (PBUH) can work no miracles; he often answers impatiently: I can work no miracles. I? "I am a Public Preacher;" appointed to preach this doctrine to all creatures. Yet the world, as we can see, had really from of old been all one great miracle to him. Look over the world, says he; is it not wonderful, the work of Allah; wholly "a sign to you," if your eyes were open! This Earth, God made it for you; "appointed paths in it;" you can live in it, go to and fro on it.—The clouds in the dry country of Arabia, to Muhammad (PBUH) they are very wonderful; Great clouds, he says, born in the deep bosom of the Upper Immensity, where do they come from! They hang there, the great black monsters; pour down their rain-deluges "to revive a dead earth," and grass springs, and "tall leafy palm-trees with their date clusters hanging round. Is not that a sign?" Your cattle too,--Allah made them; serviceable dumb creatures; they change the grass into milk; you have your clothing from them, very strange creatures; they come ranking home at evening-time, "and," adds he, "and are a credit to you!" Ships also,--he talks often about ships: Huge moving mountains, they spread-out their cloth wings, go bounding through the water there, Heaven's wind driving them; anon they lie motionless, God has withdrawn the wind, they lie dead, and cannot stir! Miracles? Cries he; What miracle would you have? Are not you yourselves there? God made you, "shaped you out of a little clay." Ye were small once; a few years ago ye were not at all. Ye have beauty, strength, thoughts, "Ye have compassion on one another." Old age comes-on you, and gray hairs; your strength fades into feebleness; ye sink down, and again are not. "Ye have compassion on one another:" this struck me much; Allah might have made you having no compassion on one another,--how had it been then! This is a great direct thought, a glance at first-hand into the very fact of things. Rude vestiges of poetic genius, of whatsoever is best and truest, are visible in this man. A strong untutored intellect; eyesight, heart; a strong wild man,--might have shaped himself into Poet, King, Priest, any kind of Hero.

To his eyes it is forever clear that this world wholly is miraculous. He sees what, as we said once before, all great thinkers, the rude Scandinavians themselves, in one way or other, have contrived to see: That this so solid-looking material world is, at bottom, in very deed, Nothing; is a visual and tactual Manifestation of God's power and presence,--a shadow hung-out by Him on the bosom of the void Infinite; nothing more. The mountains, he says, these great rock-mountains, they shall dissipate themselves "like clouds"; melt into the Blue as clouds do, and not be! He figures the Earth, in the Arab fashion, Sale tells us,

as an immense Plain or flat Plate of ground, the mountains are set on that to steady it. At the Last Day they shall disappear "like clouds"; the whole Earth shall go spinning, whirl itself off into wreck, and as dust and vapour vanish in the Inane. Allah withdraws his hand from it, and it ceases to be. The universal empire of Allah, presence everywhere of an unspeakable Power, a Splendour, and a Terror not to be named, as the true force essence and reality, in all things whatsoever, was continually clear to this man. What a modern talks-of by the name, Forces of Nature, Laws of Nature; and does not figure as a divine thing; not even as one thing at all, but as a set of things, undivine enough,--saleable, curious, good for propelling steam-ships! With our Sciences and Cyclopedias, we are apt to forget the divineness, in those laboratories of ours. We ought not to forget it! That once well forgotten, I know not what else were worth remembering. Most sciences, I think, were then a very dead thing; withered, contentious, empty;--a thistle in late autumn. The best science, without this, is but as the dead timber; it is not the growing tree and forest,--which gives ever-new timber, among other things! Man cannot know either, unless he can worship in some way. His knowledge is a pedantry, and dead thistle, otherwise.

Much has been said and written about the sensuality of Muhammad (PBUH) Religion; more than was just. The indulgences, criminal to us, which he permitted, were not of his appointment; he found them practiced, unquestioned from immemorial time in Arabia; what he did was to curtail them, restrict them, not on one but on many sides. His Religion is not an easy one: with rigorous fasts, lavations, strict complex formulas, prayers five times a day, and abstinence from wine, it did not "succeed by being an easy religion." As if indeed any religion, or cause holding of religion, could succeed by that! It is a calumny on men to say that they are roused to heroic action by ease, hope of pleasure, recompense,--sugar-plums of any kind, in this world or the next! In the meanest mortal there lies something nobler. The poor swearing soldier, hired to be shot, has his "honour of a soldier", different from drill-regulations and the shilling a day. It is not to taste sweet things, but to do noble and true things, and vindicate himself under God's Heaven as a god-made Man, that the poorest son of Adam dimly longs Show him the way of doing that, the dullest day drudge kindles into a hero. They wrong man greatly who say he is to be seduced by ease. Difficulty, abnegation, martyrdom, death are the allurements that act on the heart of man. Kindle the inner genial life of him, you have a flame that burns-up all lower considerations. Not happiness, but some-things higher: one sees this even in the frivolous classes, with their "point of honour" and the like. Not by flattering our appetites; no, by awakening the Heroic that slumbers in every heart, can any Religion gain followers.

Muhammad (PBUH) himself, after all that can be said about him, was not a sensual man. We shall

err widely if we consider this man as a common voluptuary, intent mainly on base enjoyments,--nay on enjoyments of any kind. His household was of the frugalest; his common diet barley-bread and water: sometimes for months there was not a fire once lighted on his hearth. They record with just pride that he would mend his own shoes, patch his own cloak. A poor, hard toiling, ill-provided man; careless of what vulgar men toil for. Not a bad man, I should say; something better in him than hunger of any sort,--or these wild Arab men, fighting and jostling three-and-twenty years at his hand, in close contact with him always, would not have reverenced him so! They were wild men, bursting ever and anon into quarrel, into all kinds of fierce sincerity; without right worth and manhood, no man could have commanded them. They called him Prophet, you say? Why, he stood there face to face with them; bare, not enshrined in any mystery; visibly clouting his own cloak, cobbling his own shoes; fighting, counseling, ordering in the midst of them: they must have seen what kind of a man he was, let him be called what you like! No emperor with his tiaras was obeyed as this man in a cloak of his own clouting. During three-and-twenty years of rough actual trial. I find something of a veritable Hero necessary for that, of itself.

His last words are a prayer: broken ejaculations of a heart struggling-up, in trembling hope, towards its Maker. We cannot say that his religion made him worse; it made him better; good, not bad. Generous things are recorded of him: when he lost his Daughter, the thing he answers is, in his own dialect, everyway sincere, and yet equivalent to that of Christians, "The Lord giveth, and the Lord taketh away; blessed be the name of the Lord." He answered in like manner of Zaid, his emancipated well-beloved Slave, the second of the believers. Zaid had fallen in the War of Tabuc, the first of Muhammad (PBUH) fighting's with the Greeks. Muhammad (PBUH) said, it was well; Zaid had done his Master's work, Zaid had now gone to his Master: it was all well with Zaid. Yet Zaid's daughter found him weeping over the body;--the old gray-haired man melting in tears! "What do I see?" said she.—"You see a friend weeping over his friend."—He went out for the last time into the mosque, two days before his death; asked, If he had injured any man? Let his own back bear the stripes. If he owed any man? A voice answered, "Yes, me three drachms," borrowed on such an occasion. Muhammad (PBUH) ordered them to be paid: "Better be in shame now," said he, "than at the Day of Judgment."—You remember Khadijah, and the "No, by Allah!" Traits of that kind show us the genuine man, the brother of us all, brought visible through twelve centuries,--the veritable Son of our common Mother.

Withal I like Muhammad (PBUH) for his total freedom from cant. He is a rough self-helping son of the wilderness; does not pretend to be what he is not. There is no ostentatious pride in him; but neither

does he go much upon humility: he is there as he can be, in cloak and shoes of his own clouting; speaks plainly to all manner of Persian Kings, Greek Emperors, what it is they are bound to do; knows well enough, about himself, "the respect due unto thee." In a life-and-death war with Bedouins, cruel things could not fail; but neither are acts of mercy, of noble natural pity and generosity wanting. Muhammad (PBUH) makes no apology fro the one, no boast of the other. They were each the free dictate of his heart; each called-for, there and then. Not mealy-mouthed man! A candid ferocity, if the case call for it, is in him; he does not mince matters! The War of Tabuc is a thing he often speaks of: his men refused, many of them, to march on that occasion; pleaded the heat of the weather, the harvest, and so forth; he can never forget that. Your harvest? It lasts for a day. What will become of your harvest through all Eternity? Hot weather? Yes, it was hot; "but Hell will be hotter!" Sometimes a rough sarcasm turns-up: He says to the unbelievers, Ye shall have the just measure of your deeds at that Great Day. They will be weighed-out to you; ye shall not have short weight!—Everywhere he fixes the matter in his eye; he sees it: his heart, now and then, is as if struck dumb by the greatness of it, "Assuredly," he says: that word, in the Quran, is written-down sometimes as a sentence by itself; "Assuredly."

No Dilettantism in this Muhammad (PBUH); it is a business of Reprobation and Salvation with him, of Time and Eternity: he is in deadly earnest about it! Dilettantism, hypothesis, speculation, a kind of amateur-search for Truth, toying and coquetting with Truth: this is the sorest sin. The root of all other imaginable sins. It consists in the heart and soul of the man never having been open to Truth;--"living in a vain show," Such a man not only utters and produces falsehoods, but is himself a falsehood. The rational moral principle, spark of the Divinity, is sunk deep in him, in quiet paralysis of life-death. The very falsehoods of Muhammad (PBUH) are truer than the truths of such a man. He is the insincere man: smooth-polished, respectable in some times and places: inoffensive, says nothing harsh to anybody; most cleanly,--just as carbonic acid is, which is death and poison.

We will not praise Muhammad (PBUH) moral precepts as always of the super finest sort; yet it can be said, that there is always a tendency to good in them; that they are the true dictates of a heart aiming towards what is just and true. The sublime forgiveness of Christianity, turning of the other cheek when the one has been smitten, is not here: you are to revenge yourself, but it is to be in measure, not overmuch, or beyond justice. On the other hand, Islam, like any great Faith, and insight into the essence of man, is a perfect equalizer of men: the soul of one believer outweighs all earthly kingships; all men, according to Islam too, are equal Muhammad (PBUH) insists not on the propriety of giving alms, but on the necessity of

it; he marks-down by law how much you are to give, and it is at your peril if you neglect. The tenth part of a man's annual income, whatever that may be, is the property of the poor, of those that are afflicted and need help. Good all this; the natural voice of humanity of pity and equity dwelling in the heart of this wild Son of Nature speaks so.

Muhammad (PBUH) Paradise is sensual, his Hell sensual: true; in the one and the other there is enough that shocks all spiritual feeling in us. But we are to recollect that the Arabs already had it so; that Muhammad (PBUH), in whatever he changed of it, softened and diminished all this. The worst sensualities, too, are the work of doctors, followers of his, not his work. In the Quran there is really very little said about the joys of Paradise; they are intimated rather than insisted on. Not is it forgotten that the highest joys even there shall be spiritual; the pure Presence of the Highest, this shall infinitely transcend all other joys. He says "Your salutation shall be, Peace." Salam, Have Peace!—the thing that all rational souls long for, and seek, vainly here below, as the one blessing. "Ye shall sit on seats, facing one another: all grudges shall be taken away out of your hearts." All grudges! Ye shall love one another freely; for each of you, in the eyes of his brothers, there will be Heaven enough!

In reference to this of the sensual Paradise and Muhammad (PBUH) sensuality, the sorest chapter of all for us, there were many things to be said; which it is not convenient to enter upon here. Two remarks only I shall make, and therewith leave it to your candour. The first is furnished me by Goethe; it is a casual hint of his which seems well worth taking note of. In one of his Delineations, in Meister's Travels it is, the hero comes-upon a Society of men with very strange ways, one of which was this: "We require," says the Master, "that each of our people shall restrict himself in one direction," shall go right against his desire in one matter, and make himself do the thing he does not wish, "should we allow him the greater latitude on all other sides." There seems to me a great justness in this. Enjoying things which are pleasant; that is not the evil: it is the reducing of our moral self to slavery by them that is. Let a man assert withal that he is king over his habitudes; that he could and would shake them off, on cause shown: this is an excellent law. The Month Ramadhan for the Moslem, much in Muhammad (PBUH) Religion, much in his own Life, bears in that direction; if not by forethought, or clear purpose of moral improvement on his part, then by a certain healthy manful instinct, which is as good.

But there is another thing to be said about the Muhammad (PBUH)an Heaven and Hell. This namely, that, however gross and material they may be, they are an emblem of an everlasting truth, not always so well remembered elsewhere. That gross sensual Paradise of his; that horrible flaming Hell; the great enormous Day of Judgment he perpetually insists on; what is all this but a rude shadow, in the rude Bedouin imagination, of that grand spiritual Fact, and Beginning of Facts, which it is ill for us too if we do not all know and feel: the Infinite Nature of Duty? That man's actions here are of infinite moment to him, and never die or end at all; that man, with his little life, reaches upwards high as Heaven, downwards low as Hell, and in his three-score years of Time holds an Eternity fearfully and wonderfully hidden: all this had

burnt itself, as in flame-characters, into the wild Arab soul. As in flame and lightning, it stands written there; awful, unspeakable, ever present to him. With bursting earnestness, with a fierce savage sincerity, halt, articulating, not able to articulate, he strives to speak it, bodies it forth in that Heaven and that Hell. Bodied forth in what way you will, it is the first of all truths. It is venerable under all embodiments. What is the chief end of man here below? Muhammad (PBUH) has answered this question, a way that might put some of us to shame! He does not, like a Bentham, a Paley, take Right and Wrong, and calculate the profit and loss, ultimate pleasure of the one and of the other; and summing all up by addition and subtraction into a net result, ask you, Whether on the whole the Right does not preponderate considerably? No; it is not better to do the one than the other; the one is to the other as life is to death,--as Heaven is to Hell. The one must in nowise be done, the other in nowise left undone. You shall not measure them; they are incommensurable: the one is death eternal to a man, the other is life eternal. Benthamee Utility, virtue by Profit and Loss; reducing this God's—world to a dead brute Steam-engine, the infinite celestial Soul of Man to a kind of Hay-balance for weighing hay and thistles on, pleasures and pains on;--If you ask me which gives, Muhammad (PBUH) or they, the beggarlier and falser view of Man and his Destinies in this Universe, I will answer, It is not Muhammad (PBUH)!—

On the whole, we will repeat that this Religion of Muhammad (PBUH) is a kind of Christianity; has a genuine element of what is spiritually highest looking through it, not to be hidden by all its imperfections. The Scandinavian God Wish, the god of all rude men,--this has been enlarged into a Heaven by Muhammad (PBUH); but a Heaven symbolical of sacred Duty, and to be earned by faith and well doing, by valiant action, and a divine patience which is still more valiant. It is Scandinavian Paganism, and a truly celestial element superadded to that. Call it not false; look not at the falsehood of it, look at the truth of it. For these twelve centuries, it has been the religion and life-guidance of the fifth part of the whole kindred of Mankind. Above all things, it has been a religion heartily believed. These Arabs believed their religion, and try to live by it! No Christians, since the early ages, or only perhaps the English Puritans in modern times, have ever stood by their Faith as the Moslem do by theirs,--believing it wholly, fronting Time with it, and Eternity with it. This night the watchman on the streets of Cairo when he cries "Who goes?" will hear from the passenger, along with his answer, "There is not God but God." Allah-o-akbar, Islam, sounds through the souls, and whole daily existence, of these dusky-millions. Zealous missionaries preach it abroad among Malays, black Papuans, brutal Idolaters;--displacing what is worse, nothing that is better or good.

To the Arab Nation it was as a birth from darkness into light; Arabia first became alive by means of it. A poor shepherd people, roaming unnoticed in its deserts since the creation of the world; a Hero-Prophet was sent down to them with a word they could believe: see, the unnoticed becomes world-notable, the small has grown world-great; within one century afterwards, Arabia is at Grenada on this hand, at Delhi on that;--glancing in valour and splendour and the light of genius, Arabia shines through long ages over a great section of the world. Belief is great, life-giving. The history of a Nation becomes fruitful, soul-elevating, great, so soon as it believes. These Arabs, the man Muhammad (PBUH), and that one century,--is it not as if a spark had fallen, one spark, on a world of what seemed black unnoticeable sand; but lo, the sand proves explosive powder, blazes heaven-high from Delhi to Grenada! I said, the Great Man was always as lightning out of Heaven; the rest of men waited for him like fuel, and then they too would flame.

****